10

بہادر خان کی سرگزشت



(پروفیسر انور رومان)
(۱۹۲۴ء۔۲۰۱۳ء)

مصنف کا تعارف

پروفیسر انور رومان بلوچستان کے ایک مایہ ناز ماہرِ تعلیم، معروف محقق، افسانہ نگار، مؤرخ، شاعر، اور مترجم تھے۔ انھیں اردو میں نثری نظم کے ابتدائی علَم برداروں میں شامل کیا جاتا اور بلوچستان میں اس صنف کا پہلا شاعر مانا جاتا ہے۔ انھوں نے نثری نظم کے ساتھ ساتھ دیگر اصناف، خاص طور پر پشتو اور پنجابی زبانوں کی شاعری میں بھی طبع آزمائی کی۔ انور رومان نے بلوچستان میں اردو ادب، بالخصوص جدید نظم کو ایک نئی جہت سے روشناس کروایا۔ ان کی شاعری میں رومانیت، تاریخی شعور اور سماجی مسائل کی جھلک ملتی ہے۔ انھوں نے بلوچستان کی ثقافت و سماجی مسائل کو اپنے فن میں نمایاں کیا۔ پروفیسر انور رومان کی زندگی علم، تحقیق اور تخلیقی ادب کی خدمت کا ایک روشن باب ہے۔ وہ بلوچستان کے ادبی ورثے کے معماروں میں شمار ہوتے ہیں۔

پروفیسر انور رومان ہندوستان کے شہر جالندھر کے قریب واقع ایک چھوٹے سے قصبے ''کنیاں کلاں'' میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے مشرقی پنجاب سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے انھوں نے لاہور کی پنجاب یونی ورسٹی میں داخلہ لیا اور وہاں سے تاریخ میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد، انور رومان کوئٹہ (بلوچستان) آ گئے اور ایک ہائی سکول میں بطور استاد مقرر ہوئے۔ ان کی قابلیت کے باعث انھیں ترقی ملتی رہی۔ وہ محکمہ تعلیم بلوچستان میں بہ طور پرنسپل، ڈپٹی ڈائریکٹر اور ڈائریکٹر کالجز بھی تعینات رہے۔ انھوں نے بلوچستان ٹیکسٹ بک بورڈ کے چیئرمین کی حیثیت سے بھی خدمات سرانجام دیں۔

پروفیسر انور رومان نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز مشہور شاعر جوش ملیح آبادی کے رسالے ''کلیم'' میں مضامین لکھ کر کیا۔ انھوں نے 2013ء میں تقریباً 89 سال کی عمر میں انتقال کیا۔ انھوں نے مختلف موضوعات پر تقریباً چالیس کتابیں تصنیف کیں۔ ان کی تصانیف میں براہوی زبان اور ثقافت پر گراں قدر تحقیقی کام شامل ہے۔

تدریسی مقاصد:

- ☆ براہوی لوک ادب اور اس کی روایت سے آگاہی حاصل کرنا
- ☆ کہانی کے مرکزی کردار بہادر خان کی شخصیت اور اس کی نمایانی ضرویات سے روشناس ہونا
- ☆ لوک کہانیوں کی اہمیت اور ان کے معاشرتی و ثقافتی پس منظر سے واقف ہونا
- ☆ قومی اور علاقائی ثقافت سے لگاؤ اور وابستگی پیدا کرنا
- ☆ طلبہ میں زبان دانی اور اظہار خیال کی صلاحیت پیدا کرنا

مشکل الفاظ کے معانی

نمبر (71) کھاتا پیتا: (خوش حال، آسودہ حال)، کاریز: (زیرِ زمین پانی کی نہر)، سیرابی: (پانی سے بھر جانا)، غلہ: (اناج، اجناس)، مزارعت: (کھیتی باڑی، زمین بٹائی پر کاشت کرنا)، معاشی آزادی: (مالی لحاظ سے بے فکری اور آزادی)، خود داری: (عزتِ نفس، غیرت مندی)، بانٹ چونٹ: (تقسیم کرنا، حصے تقسیم کرنا)، نیک نامی: (اچھی شہرت، اچھا نام)، دھوم دھام سے: (شاندار طریقے سے، شان و شوکت سے، اہتمام کے ساتھ)، پیش بینی: (آئندہ کا اندازہ، دور اندیشی، پہلے سے سوچ کر عمل کرنا)، خوشے: (اناج کی بالیاں، اناج کے گچھے)، حریص: (لالچی، زیادہ کی خواہش رکھنے والا)، خوشی کی انتہا نہ رہی: (خوشی کی حد نہ رہی، بہت زیادہ خوش ہوا)، اناج: (غلہ، گندم)، وجود: (موجودگی، جسم، ہستی)، مسرتیں: (خوشیاں، شادمانی)، ملفوف: (لپٹا ہوا،

بندھا ہوا)، پھوٹنا: (نکل پڑنا، پھٹ کر باہر آ جانا)، معمول: (عام دستور، روز مرہ کا طریقہ)، خودغرض: (مطلبی، صرف اپنا فائدہ چاہنے والا)، والہانہ: (محبت میں ڈوب کر، بہت زیادہ محبت سے)، حاسدانہ: (حسد کے ساتھ، جلن کے انداز میں، حاسدوں کی طرح)، قدرتی: (فطری، غیر مصنوعی)، دائمی: (مستقل، ہمیشہ رہنے والا)، موجزن: (جوش مارتا ہوا، شدت کے ساتھ کوئی جذبہ یا خیال دل میں اٹھنا)، مقبوضہ: (قبضے میں لیا ہوا، جس پر کسی کا قبضہ ہو)، سیراب کرنا: (فصلوں کو پانی دینا، کھیتوں کو پانی سے بھرنا)، بیشتر: (زیادہ، اکثر)، بادلِ نخواستہ: (دل نہ چاہنے کے باوجود، نہ چاہتے ہوئے بھی)، منشا: (مرضی، خواہش)، فالتو: (غیر ضروری، زائد)، کائی: (چکنی گیلی سبز تہہ جو کھڑے پانی پر یا گیلی زمین پر جم جاتی ہے)، خاطر تواضع: (مہمان نوازی، خدمت، آؤ بھگت)، کش لگانا: (سگریٹ یا حقے کا دم لینا)، عیاشی: (عیش و اکرام)، فضل: (احسان، کرم، بڑائی)، بنجر: (جس میں پیداوار نہ ہو، ویران، غیر آباد)، خاردار جھاڑی: (کانٹوں والی جھاڑی)، جوہان: (کھلیان)

سبق نمبر (72) راہ گیر: (گزرنے والا، مسافر)، اردگرد: (چاروں طرف، آس پاس)، زمین دار: (زمین کا مالک، کھیتوں کا مالک)، اونچے ستارے والا: (خوش نصیب، قسمت والا)، سونے پر سہاگا: (اچھی چیز پر مزید بہتری، پہلے سے بھی بہتر ہونا)، اچھے شگون والا: (اچھی قسمت والا، نیک مقدر)، وسیع: (کھلا، چوڑا)، انبار: (ڈھیر، جمع شدہ چیزوں کا بڑا ذخیرہ، بہت زیادہ مقدار)، آنکھ بھر کر دیکھنا: (توجہ سے دیکھنا، غور سے دیکھنا)، سر سے پیر تک: (پورا، مکمل، پورا بدن)، خاموش قہقہہ: (بے آواز ہنسی)، شکوک: (شبہات، شک کی جمع)، رینگنا: (ہلکے ہلکے چلنا، زمین پر گھسٹ کر چلنا)، باسی: (رات کا بچا ہو، پرانا)، ترسنا: (خواہش کرنا، شدید چاہت رکھنا)، میسر آنا: (مل جانا، حاصل کرنا)، خطرہ بننا: (جان اور مال کے نقصان کا سبب بننا)، درپے ہونا: (پیچھے پڑ جانا، لگے رہنا)، دین: (عطا، دیا ہوا)، ہمراہ: (ساتھ)، مبادا: (کہیں ایسا نہ ہو)، نیت: (ارادہ، دل کا قصد)، قزاق: (ڈاکو)، اتفاق کرنا: (راضی ہونا، ایک جیسا فیصلہ کرنا)، آندھی: (گرد و غبار کے ساتھ تیز ہوا کا طوفان)، سیال: (رشتے دار)، بلاوا: (دعوت، بلانے کا حکم، طلبی)، بابت: (متعلق)، چورا چکے: (چور، لٹیرے)، پل پڑنا: (اچانک حملہ کرنا، فوراً ٹوٹ پڑنا)، چلم کشوک: (حقہ پینے والا، چلم پینے کا عادی)، خس و خاشاک: (تنکے، گھاس پھوس)، وسط: (درمیان)، غضب ناک: (خطرناک، غصے سے بھرا ہوا، بہت غصے میں)، بگولا: (گرد و غبار لیے ہوئے چکر کھاتی ہوئی ہوا)، انگارے: (آگ کے دہکتے ذرے، دہکتے ہوئے کوئلے)، آناً فاناً: (فوراً، اچانک، ایک دم)، بل کھاتی ہوئی: (پیچ دار حرکت کرتی ہوئی، مڑتی ہوئی)، لپٹ: (شعلے، ہوا کے جھونکے کے ساتھ آنے والی آگ کی لہر)، نذر ہونا: (بھینٹ چڑھنا، فنا ہو جانا، یہاں مراد قابو آ جانا)، کھاٹ: (چارپائی)، خلاصی پانا: (جان چھڑانا)، نیم شب: (آدھی رات)، ماتم کرنا: (غم منانا، نوحہ کرنا)، چیخ مارنا: (زور سے چلّانا، چلّا اٹھنا)، تومان: (قبیلہ)، کھٹکا پڑ گیا: (شک ہو گیا، خطرہ پڑ گیا، دل میں ڈر آ گیا)، ڈھال: (سپر، حملہ روکنے کی چیز)، تعاقب کرنا: (پیچھا کرنا)، چار و نا چار: (مجبوراً، بے دلی سے)، شب بسری: (رات گزارنا)، تارے گننا: (بے قراری میں جاگنا)

سبق نمبر (73) خوف زدہ ہو گیا: (ڈر گیا، ڈر میں مبتلا ہو گیا)، بے ہوش: (ہوش کھو بیٹھنا)، لوٹ لوٹ کر مر گیا: (تڑپ تڑپ کر مر گیا)، بہ ایں سبب: (اسی وجہ سے، اسی بنا پر)، بے تاب ہو کر: (صبر نہ کرتے ہوئے، بے چین ہو کر)، عقب سے: (پیچھے سے، پشت کی طرف سے)، نعرہ لگانا: (اونچی آواز نکالنا)، سرتوڑ بھاگنا: (تیزی سے بھاگنا، جان بچا کر بھاگنا)، چیختے چلاتے: (چیخیں مارتے ہوئے)، سر پر پاؤں رکھ کر بھاگنا: (جان بچا کر تیز دوڑنا، بہت تیزی سے بھاگ نکلنا)، مونچھوں کو تاؤ دینا: (رعب جمانا، خود کو طاقت ور ظاہر کرنا)، روپوشی: (چھپ جانا، پوشیدگی)، گریز کرنا: (دور رہنا، پرہیز کرنا)، قسمت کو کوسنا: (قسمت کو برا بھلا کہنا، اپنی تقدیر پر افسوس کرنا)، اونگھنا: (نیند میں جھومنا، آدھی نیند میں ہونا)، سیاہ پوش: (کالا لباس پہنے ہوئے، سوگوار)، خوف ناک: (ڈراؤنا، خوف پیدا کرنے والا)، قبر شق ہونا: (قبر پھٹ جانا)، جادو: (ٹونا، منتر)، مکڑے مکڑے: (چپکے چپکے)، یک بارگی: (اچانک، فوراً، ایک دم)، لپک کر: (فوراً جھپٹ کر، جلدی سے آگے بڑھ کر)، منتر پھونکنا: (جادو کرنا)، وابستہ ہونا: (تعلق ہونا، جڑ جانا)، لیت و لعل کرنا: (ٹال مٹول کرنا، بہانے بنا کر وقت گزارنا)، قہر طاری کرنا: (ظلم ڈھانا، غضب نازل کرنا)، پالیز: (باغ)، خوف زدہ ہونا: (ڈر

جانا)، ٹھٹکا: (اچانک رکا)، مرمت: (یہاں مراد اچھی طرح مارنا پیٹنا)، زدوکوب کرنا: (مار پیٹ کرنا)، بے تاب: (بے چین، بے قرار)، گھسیٹنا: (کھینچ کر رگڑتے ہوئے لے جانا)، جھٹکا: (اچانک زور کی حرکت)

سبق نمبر (74) تعاقب: (پیچھا)، پیچ وتاب کھانا: (سخت غصہ کرنا)، سخت جان: (مضبوط، برداشت والا، آسانی سے نہ مرنے والا)، مار کٹائی: (مار پیٹ، لڑائی، ہاتھا پائی)، آبی چرغہ: (رہٹ)، نصب ہونا: (قائم ہونا، لگا ہونا)، ناچار: (بے بس، مجبور)، ڈھٹائی سے: (ضد سے، ڈٹ کر)، چرغہ: (پہیا)، ڈگ: (قدم)، بدبخت: (بدنصیب، منحوس)، آسیب: (جن بھوت)، پالیز وان: (مالی)، دندناتے ہوئے: (بے دھڑک، بے فکری سے)، خانہ خراب: (تباہ وبرباد، تباہ حال)، گامزن ہونا: (آگے بڑھنا، چل پڑنا)، دہشت زدہ: (ڈرا ہوا، خوف زدہ)، تڑپ کر: (بے قراری سے، اچانک)، رئیس: (بڑا آدمی، یہاں مراد گاؤں کا سربراہ)، پوشاک: (پہننے کی چیز، لباس)، غلیظ: (خراب، گندی)، مع: (ہمراہ، ساتھ)، رضامندی ہونا: (راضی ہونا، تیار ہونا)، معیت میں: (ساتھ میں، ہمراہی میں، موجودگی میں)، پہرے داری: (نگرانی، چوکی داری)، دریں اثنا: (اسی دوران میں، اتنے میں)، بے دھڑک: (بے خوف، بغیر جھجک اور ڈر کے)، آدھمکا: (اچانک پہنچ گیا)، بھگدڑ مچنا: (افراتفری پھیلنا، ڈر یا خوف سے دوڑنا)، لٹھ: (بڑی لاٹھی، سخت اور موٹی لکڑی)، ہانکنا: (جانور کو دوڑانا)، خبردار کرنا: (ہوشیار)، یکے بعد دیگرے: (ایک کے بعد ایک، مسلسل ترتیب سے)، چابک: (کوڑا، گھوڑے کو دوڑانے والا چمڑے کا تسمہ)، ایڑی: (پاؤں کی پچھلی ہڈی)، گھبراہٹ: (بوکھلاہٹ، پریشانی)، میخ: (لکڑی یا لوہے کا پتلا لمبا ٹکڑا)، بھاگم بھاگ: (افراتفری، ہر سمت بھاگنا)، لہولہان ہونا: (خون بہنا، زخمی ہونا)

سبق نمبر (75) اقارب: (رشتے دار، خاندان کے لوگ)، بے گانہ: (اجنبی، ناواقف شخص)، گریزاں: (دور بھاگنے والا)، کاش: (خواہش یا افسوس کو ظاہر کرنے والا حرف)، دوبھر: (مشکل)، پاداش: (نتیجہ، سزا کے طور پر)، شوم: (منحوس، بدقسمت)، بہتیرا: (بہت زیادہ)، ڈٹ جانا: (اپنی بات پر قائم رہنا)، رعایت: (چھوٹ، لحاظ، نرمی)

توضیحات

1۔ کاریز: زیرِ زمین پانی کی نہر جو قدیم زمانے سے خشک یا نیم خشک علاقوں میں پانی فراہم کرنے کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ یہ عام طور پر پہاڑوں یا بلند زمین سے کھیتوں تک پانی پہنچانے کے لیے بنائی جاتی ہے۔ کاریز زمین کے اندر ایک سرنگ کی طرح ہوتی ہے جس کی وجہ سے پانی بخارات میں تبدیل ہو کر ضائع ہونے سے بچا رہتا ہے۔ اس میں پانی کا بہاؤ قدرتی دھارے یا گراؤنڈ واٹر (Ground Water) سے ہوتا ہے۔ کاریز کی مدد سے کسانوں کو فصلیں سیراب کرنے کے لیے مستقل پانی ملتا ہے۔

2۔ کائی: یہ کھیتوں کی مٹی کی سطح پر جمنے والی ہری تہہ ہوتی ہے۔ یہ زیادہ تر الجی (Algae) اور سائنو بیکٹریا پر مشتمل نرم و نازک پودے ہوتے ہیں۔ یہ تہہ وہاں جمتی ہے جہاں کھیتوں میں پانی کی زیادتی ہو اور نکاسی کا نظام اچھا نہ ہو۔ خشک ہونے پر یہ تہہ ایک سخت پرت کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ یہ پرت فصلوں کے لیے نقصان دہ ہو سکتی ہے کیوں کہ یہ مٹی میں ہوا کی آمد و رفت کو روکتی اور نئے بیجوں کے اگنے میں رکاوٹ بنتی ہے۔

3۔ کھلیان: کھلیان بنیادی طور پر وہ جگہ یا میدان ہے جہاں فصل سے دانہ الگ کرنے کا سارا عمل ہوتا ہے۔ یہ لفظ اکثر فصل کے ڈھیر کو بھی ظاہر کرتا ہے جو گہائی (Threshing) کے لیے اس مخصوص جگہ (کھلیان) پر اکٹھا کر کے رکھا جاتا ہے چناں چہ گندم یا دھان کی بالیوں کے ڈھیر اور اس کے گرد و نواح کی پوری جگہ دونوں کو کھلیان کہا جا سکتا ہے۔

4۔ جوہان: جوہان وہ جگہ ہوتی تھی جہاں کسان فصل کاٹنے کے بعد اناج کو بیلوں یا دیگر جانوروں کی مدد سے روند کر دانوں کو بھوسے سے الگ کرتے تھے۔ یہ جگہ ایک گول دائرے کی شکل میں بنائی جاتی تھی جہاں مرکز میں ایک کھونٹا گاڑ کر بیلوں کو باندھا جاتا تھا تاکہ وہ دائرے میں گھوم سکیں۔

5۔ چلم کشوک: یہ پنجابی زبان کا دیہی اور غیر رسمی لفظ ہے۔ اس سے مراد حقہ پینے کا عادی شخص ہے جو اپنا وقت کام کرنے کے بجائے صرف چلم یا حقہ پینے میں ضائع کرتا ہے۔

6۔ پالیز: پالیز وہ خاص کھیت ہے جہاں تربوز، خربوزوں اور کدو جیسی، بیلوں پر لگنے والی فصلیں اگائی جاتی ہیں۔

7۔ آبی چرخہ: کھیتوں کو سیراب کرنے کے لیے کنویں سے پانی نکالنے کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ اسے بیل یا اونٹ کے ذریعے گھما کر چلایا جاتا تھا۔ جیسے ہی بیل دائرے میں گھومتا تو اس چرخے کے ساتھ لگی ہوئی زنجیر بھی حرکت کرتی جس پر لگے مٹکے یا بالٹیاں کنویں سے پانی بھر کر اوپر لاتی تھیں اور اسے ایک نالی میں انڈیل دیتی تھیں۔ اس مسلسل بہاؤ کے ذریعے پانی کو آسانی سے کھیتوں تک پہنچایا جاتا تھا۔

سبق کا خلاصہ

بہادر خان ایک محنتی، خوددار اور نیک دل کسان تھا۔ وہ ایک کھاتا پیتا کسان تھا اور اپنی زمین سے بے پناہ محبت رکھتا تھا۔ اس کے پاس کاریز کا پانی تھا جس سے وہ بارش نہ ہونے کے باوجود اپنے کھیتوں کو سیراب کر لیتا تھا۔ اس کی محنت اور سمجھ داری کے باعث اس کے کھیت ہمیشہ ہرے بھرے رہتے تھے۔ وہ اتنا غلہ پیدا کر لیتا تھا کہ نہ صرف اپنے گھر کا خرچ چلا لیتا بلکہ اپنے ہمسایوں اور غریبوں کی بھی مدد کرتا تھا۔ وہ دوسروں پر بوجھ بننا پسند نہیں کرتا تھا اور نہ ہی کسی کی زمین پر مزدوری یا مزارعت کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کے دل میں خودداری کا جذبہ تھا۔ گاؤں کے لوگ اس کی عزت کرتے تھے۔

شادی سے پہلے وہ اپنی فصلوں سے بے حد پیار کرتا تھا۔ وہ ہر خوشے کو پہچانتا اور اس کے سنہری ہونے پر خوشی سے جھوم اٹھتا تھا۔ وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ گندم کے خوشے اپنے مالک کو پہچانتے ہیں، جوان سے محبت کرتا ہے وہ اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے ہیں۔ وہ اپنی زمین سے اتنی محبت کرتا تھا کہ اسے اپنی زندگی کی سب سے بڑی خوشی یہی لگتی تھی کہ کھیت ہرے بھرے رہیں۔

جب اس کی شادی ہوگئی تو فطری طور پر اس کے معمولات میں تبدیلی آئی۔ اب اس کی محبت کا مرکز اس کی بیوی بن گئی۔ اس نے فیصلہ کیا کہ اب کھیتوں کے کام کے لیے ایک نوکر رکھ لیا جائے تاکہ وہ اپنی بیوی کو بھی وقت دے سکے۔

بہادر خان کو نوکر مل گیا جو محنتی اور ایمان دار تھا۔ وہ بیلوں کو چارہ ڈالتا، کھیتوں سے گھاس پھوس نکالتا اور وقت پر پانی دیتا تھا۔ بس تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد چلم پیتا تھا، یہی اس کی واحد عیاشی تھی۔ انھی دنوں خدا کے فضل سے بارش بھی بہت ہوئی۔ کھیت سرسبز ہو گئے۔ وہ زمینیں جنھیں پہلے بنجر سمجھا جاتا تھا، نوکر نے وہاں بھی گندم بو دی جو چند ماہ بعد پک گئی۔ بہادر خان نے جب اپنی ساری گندم کٹوائی اور اسے کھلیان میں جمع کرایا تو ہر کوئی دیکھنے آیا۔ سب نے اس کی خوش قسمتی کی تعریف کی۔ لوگ کہتے تھے کہ اس کی بیوی سونے پر سہاگا ہے اور اس کا نوکر بھی خوش بختی کی علامت ہے۔

بہادر خان جب اپنی فصل کو دیکھتا تو اسے بے حد خوشی محسوس ہوتی، مگر ساتھ ہی ایک انجانا سا ڈر بھی دل میں آتا۔ اسے لگتا کہ جب انسان کے گھر خوشی آتی ہے تو زمانہ حسد کرنے لگتا ہے۔ وہ سوچتا کہ غریب آدمی جب بھوکا ہوتا ہے تو کسی کے لیے خطرہ نہیں ہوتا، لیکن جیسے ہی اس کے گھر میں خوش حالی آتی ہے، مشکلات اس پر ٹوٹ پڑتی ہیں۔ ایک دن اس کا ایک سیال شادی کا بلاوا لے کر آیا۔ بہادر خان نے نوکر کو تاکید کی کہ وہ فصل کی حفاظت کرے، کسی کو اس کے جانے کا نہ بتائے اور گھر سے جو کھانا آئے وہ کھا لیا کرے۔ بہادر خان شادی پر چلا گیا۔ نوکر کو چلم پینے کا شوق تھا۔ اس نے خس و خاشاک کو آگ لگائی تو ایک چنگاری نے کھلیان میں آگ لگا دی۔ سارا اناج جل گیا اور نوکر بھی اسی آگ میں جل کر مر گیا۔

اگلے دن بہادر خان کی بیوی روٹی لے کر کھلیان پر پہنچی تو وہاں جلی ہوئی لاش دیکھ کر سمجھ بیٹھی کہ یہ بہادر خان ہے۔ وہ چیختی چلاتی گاؤں پہنچی۔ سب نے یہی یقین کیا کہ بہادر خان مر گیا ہے۔ گاؤں کے لوگوں نے اس جلی ہوئی لاش کو دفن کر دیا۔ چند دن بعد بہادر خان شادی سے واپس آیا۔ جب وہ رات کو اپنے گاؤں پہنچا تو دیکھا کہ گھر میں رونا پیٹنا ہے۔ اس کی بیوی اسے دیکھ کر خوف

زدہ ہوگئی اور چیخ مار کر باہر بھاگی۔ پورے گاؤں میں شور مچ گیا کہ بہادر خان مرنے کے بعد واپس آ گیا ہے۔ سب لوگ ہتھیار لے کر اس کے پیچھے دوڑنے لگے۔

بہادر خان حیران و پریشان قبرستان میں جا چھپا۔ صبح وہ بھوک کے مارے مسجد کے ملا کے پاس گیا اور کہا کہ مجھے کچھ کھانے کو دو، میں بھوکا ہوں۔ ملا نے اسے دیکھا تو ڈر کے مارے مر گیا۔ اس واقعے نے گاؤں والوں کے یقین کو مزید پختہ کر دیا کہ بہادر خان اب انسان نہیں بلکہ بھوت ہے۔ بہادر خان پھر قبرستان لوٹ آیا۔ ایک رات اس نے دیکھا کہ ایک جادوگر قبرستان میں ایک قبر پر عمل کر رہا ہے۔ وہ ملا کی قبر تھی۔ جادوگر کچھ پڑھتا رہا اور قبر پھٹ گئی۔ ملا کی لاش گھٹنوں تک باہر آ گئی۔ بہادر خان نے جادوگر کو پکڑ لیا اور کہا کہ وہ اسے جادو سکھائے۔ جادوگر نے جان چھڑانے کے لیے ایک منتر پڑھا، جس سے ملا کی لاش بہادر خان کے پیچھے لگ گئی۔

اب جہاں بہادر خان جاتا، ملا کی لاش اس کے پیچھے آتی۔ گاؤں والے یہ منظر دیکھ کر ڈر کے مارے بھاگ جاتے۔ بہادر خان نے بہت کوشش کی کہ اس لاش سے جان چھڑائے، مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ اس نے اسے باندھا، مارا، گھسیٹا، لیکن وہ پیچھا نہیں چھوڑتی تھی۔ آخر کار بہادر خان دوبارہ قبرستان آیا اور جادوگر کو مجبور کیا کہ وہ ملا کو واپس قبر میں ڈال دے۔ جادوگر نے عمل کیا اور ملا قبر میں چلا گیا۔ بہادر خان کو آخر کار سکون نصیب ہوا۔ اس کے بعد وہ اپنے سیالوں کے پاس گیا اور ان سے درخواست کی کہ وہ اس کے گاؤں چل کر لوگوں کو حقیقت بتائیں۔ وہ سب اس کے ساتھ گاؤں آئے۔ انھوں نے گاؤں والوں کو بتایا کہ جسے تم نے دفن کیا تھا وہ بہادر خان کا نوکر تھا، بہادر خان تو ان دنوں شادی میں گیا ہوا تھا۔ گاؤں والے خوشی سے ناچنے لگے اور بہادر خان کو گلے لگایا۔ اس کی بیوی بھی مطمئن ہوگئی اور گاؤں میں پھر سے امن و سکون ہو گیا۔

مرکزی خیال

محنت، سچائی، صبر اور خودداری انسان کی سب سے بڑی طاقتیں ہیں۔ جو شخص نیک نیت اور ایمان دار ہو، وہ مصیبتوں سے گھبرا کر ہمت نہیں ہارتا بلکہ ثابت قدم رہتا ہے۔ انسان اگر محنت اور دیانت داری سے زندگی گزارے تو آخر کار کامیابی اور عزت اسی کے حصے میں آتی ہے، کیوں کہ جھوٹ، فریب اور خوف کے سائے عارضی ہوتے ہیں، مگر سچائی ہمیشہ غالب آتی ہے۔

اہم عبارات کی تشریح

نوٹ: (جو طلبہ ہر عبارت کا الگ الگ سیاق و سباق نہیں لکھ سکتے، وہ اس سبق کی کسی بھی عبارت کی تشریح سے قبل درج ذیل اجمالی سیاق و سباق لکھ سکتے ہیں۔)

اجمالی سیاق و سباق

بہادر خان ایک نیک، خوددار اور محنتی کسان ہے جو اپنی زمین سے بے پناہ محبت کرتا ہے اور محنت و دیانت کو کامیابی کی کنجی سمجھتا ہے۔ وہ اپنی محنت سے خوش حال زندگی گزارتا ہے اور دوسروں کا سہارا بنتا ہے۔ شادی کے بعد اس کی زندگی میں ایک نیا موڑ آتا ہے۔ وہ فصلوں کی نگرانی کے لیے ایک نوکر رکھتا ہے، مگر نوکر کی غفلت سے کھلیان میں آگ لگ جاتی ہے، سارا اناج جل جاتا ہے اور نوکر بھی اس آگ میں جل کر مر جاتا ہے۔ گاؤں والے غلط فہمی سے نوکر کی جلی ہوئی لاش کو بہادر خان سمجھ کر دفن کر دیتے ہیں۔ جب بہادر خان واپس آتا ہے تو لوگ اسے مردہ سمجھ کر بھوت قرار دیتے ہیں۔ آخر کار حقیقت کھلتی ہے اور سب کو پتا چلتا ہے کہ وہ زندہ ہے۔

عبارت نمبر 1

بہادر خان ایک کھاتا پیتا کسان تھا۔ بارش نہ ہونے کی صورت میں بھی وہ کاریز کے پانی کی مدد سے اپنے کھیتوں میں اتنی سیرابی کر لیتا تھا کہ نہ صرف اپنے لیے سال بھر کے غلے کا خرچ پورا کر لیتا بلکہ اپنے ہمسایوں اور غریب غربا کی مدد بھی کر دیتا۔

جب کاریزوں میں پانی تھوڑا ہوتا تو بھی اس کو کسی دوسرے زمیندار کی مزارعت نہ کرنا پڑتی تھی۔ اس کی اس معاشی آزادی کی وجہ سے اس میں کافی خودداری تھی اور اس کی بانٹ چونٹ کر کھانے کی عادت نے اردگرد میں اسے کافی نیک نامی دے رکھی تھی۔ لہٰذا اس کی شادی نہایت آسانی اور دھوم دھام سے ہوئی۔ شادی سے پہلے وہ اپنے کھیتوں اور فصلوں کی پرورش میں بے حد محنت کرتا تھا۔ گندم کے خوشوں کے لیے وہ ایک حریص باپ سے کم نہ تھا۔ وہ ایک ایک خوشے کو گنتا تھا، اس کے لیے دعا مانگتا تھا اور اسے جانتا تھا۔ جب سبز خوشے اناج سے بھر کر سنہری ہو جاتے تھے اور اپنے سر ایک طرف کو جھکا لیتے تھے تو اس کی خوشی کی انتہا نہ رہتی تھی۔ وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ ان خوشوں کو اپنے وجود کا احساس ہے، یہ اپنے مالک کو جانتے اور پہچانتے ہیں، ان میں زندگی کی مسرتیں اور قہقہے ملفوف ہیں اور جوان سے پیار کرتا ہے، یہ اس کے سامنے سر جھکا دیتے ہیں اور ایک ایک کی جگہ دو دو پھوٹتے ہیں۔

حوالۂ متن

سبق کا عنوان: بہادر خان کی سرگزشت

مصنف کا نام: انور رومان

ماخذ: براہوی لوک کہانیاں

صنف: لوک کہانی / داستان

سیاق و سباق

تشریح طلب عبارت سبق کی پہلی عبارت ہے، اس لیے اس کا سیاق نہیں ہے۔

تشریح طلب عبارت کے بعد مصنف بتاتے ہیں کہ شادی کے بعد بہادر خان نے کھیتوں کی دیکھ بھال کے لیے ایک نوکر رکھا۔ ایک روز بہادر خان کسی تقریب میں شرکت کے لیے گیا تو نوکر کے حقے کی چنگاری سے کھیتوں میں آگ لگ گئی، جس کی نذر ہو کر وہ نوکر خود بھی ہلاک ہو گیا۔ گاؤں والوں نے اس کی جلی ہوئی لاش کو بہادر خان سمجھ کر دفن کر دیا۔ کچھ دن بعد جب بہادر خان واپس آیا تو اسے دیکھ کر سب خوف زدہ ہو گئے اور اسے بھوت سمجھنے لگے۔ اسی دوران میں ایک جادوگر کے سحر سے مُلّا کی لاش اس کے ساتھ سائے کی طرح چمٹ گئی، جس نے گاؤں میں مزید دہشت پھیلا دی۔ ہر طرف افراتفری مچ گئی اور لوگ اس سے گریز کرنے لگے۔ آخر کار، بہادر خان نے جادوگر کو مجبور کر کے لاش کو دوبارہ قبر میں دفن کروایا اور اپنے رشتے داروں کی مدد سے گاؤں والوں کو اپنی زندگی کا یقین دلایا، تب کہیں جا کر غلط فہمی دور ہوئی۔

تشریح

انور رومان اپنے عہد کے ممتاز ماہرِ تعلیم، مؤرخ، محقق، شاعر، مترجم اور فکشن نگار تھے۔ انھوں نے مختلف علاقائی زبانوں کی کہانیوں کو قابلِ فہم اور دل نشیں انداز میں اردو میں منتقل کیا ہے۔ ''بہادر خان کی سرگزشت'' لوک داستان کا خوب صورت اردو ترجمہ ہے جس میں انسانی جذبات کی ترجمانی، زبان کی سادگی و روانی اور قصے کی دل نشینی نمایاں ہے۔

بہادر خان ایک محنتی، خوددار اور نیک دل کسان تھا۔ وہ محنت پر یقین رکھتا تھا اور اپنے زورِ بازو سے روزی کماتا تھا۔ وہ کسی کا محتاج نہیں تھا اور اپنی محنت سے اتنا کچھ پیدا کر لیتا تھا کہ خود بھی خوش حال رہتا اور دوسروں کی مدد بھی کرتا تھا۔ اس کی زندگی ایک کسان کی حقیقی تصویر دکھاتی ہے جو مٹی سے محبت کرتا ہے، زمین کو ماں کی طرح سمجھتا ہے اور اپنی فصلوں کو اپنے بچوں کی طرح پالتا ہے۔

بہادر خان تنگ دست یا مفلس نہیں تھا بلکہ مالی لحاظ سے خوش حال آدمی تھا۔ اس کے پاس زمین بھی تھی اور محنت کرنے کی عادت بھی۔ وہ صرف قسمت پر بھروسا کرنے والا نہیں تھا بلکہ عملی زندگی میں سرگرم رہتا تھا۔ اس کے علاقے میں اگر بارش نہ بھی ہوتی تو وہ اپنی فصلوں کے لیے پانی کا بندوبست کاریز کے ذریعے کر لیتا تھا۔ کاریز دراصل ایک زیرِ زمین نہر یا نالا ہوتا ہے جس کے ذریعے دور دراز کے علاقوں تک پانی پہنچایا جاتا ہے۔ یہ کام آسان نہیں ہوتا کیوں کہ اس کے لیے پہلے سے منصوبہ بندی، مسلسل نگرانی اور محنت

درکار ہوتی ہے، لیکن بہادر خان اس قابل تھا کہ وہ اس پانی سے اپنے کھیتوں کو سیراب کر لیتا۔ کسی دانا کا قول ہے:

''جو شخص کسی کام کا ارادہ کرے اور پھر اس کے انجام (اچھے یا برے) پر غور کرے تو اللہ تعالیٰ اسے بہترین رہنمائی عطا فرماتا ہے۔''

بارش کی کمی کسانوں کے لیے ایک بڑا مسئلہ تھا، کیوں کہ ان کی فصلوں کا دارومدار پانی پر تھا۔ مگر بہادر خان کی ذہانت اور محنت نے اسے اس مشکل سے بچا رکھا تھا۔ وہ صرف اتنی ہی محنت نہیں کرتا تھا کہ اپنی ضروریات پوری ہو جائیں بلکہ اتنی فصل اگاتا تھا کہ دوسروں کی بھی مدد کر سکے۔ یہ اس کے دل کی سخاوت اور دوسروں کے ساتھ ہمدردی کا ثبوت ہے۔ وہ خود کفیل بھی تھا اور دوسروں کے لیے خیر خواہ بھی۔ آنحضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے دوسروں کے خیر خواہ اور ان کے کام آنے والے کو بہترین انسان قرار دیا ہے۔ آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کا ارشادِ مبارک ہے:

خَيْرُ النَّاسِ مَنْ يَنْفَعُ النَّاسَ

ترجمہ: ''انسانوں میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو دوسرے انسانوں کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچاتا ہے۔''

اور بقول علامہ اقبالؒ:

؎ ہیں لوگ وہی جہاں میں اچھے آتے ہیں جو کام دوسروں کے

جب کاریزوں میں پانی کم ہو جاتا اور دوسرے زمین داروں کو مزارعت یعنی کسی کی زمین پر کام کر کے حصہ لینا پڑتا تو بہادر خان کو اس کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ وہ اپنی زمین سے اتنی پیداوار حاصل کر لیتا کہ اسے کسی کا محتاج نہ ہونا پڑتا تھا۔ یہی بات اس کی خودداری اور عزتِ نفس کو ظاہر کرتی ہے۔ وہ دوسروں پر بوجھ بننے کی بجائے ان کا سہارا بنتا تھا۔ اس کی معاشی آزادی نے اس کے اندر اعتماد پیدا کر دیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر محنت کی جائے تو اللہ تعالیٰ برکت دیتا ہے اور انسان کو دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت نہیں رہتی۔

اس کی نیک نامی صرف اس کی دولت کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ اس کے اخلاق اور سادہ طرزِ زندگی کی بدولت تھی۔ اس کی عادت تھی کہ وہ دوسروں کے ساتھ اپنی خوشیاں بانٹتا تھا۔ اگر اس کے پاس کھانے پینے کا سامان ہوتا تو وہ اسے اپنے ہمسایوں میں تقسیم کرتا۔ یہی وجہ تھی کہ پورے علاقے میں اس کی عزت تھی۔ لوگ اس کی تعریف کرتے اور اسے نیک دل انسان سمجھتے تھے۔ معاشرے میں ایسے لوگ ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں جو اپنی خوشی میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں۔

؎ زندگی ان کے قدم چوم لیا کرتی ہے جو بہاروں سے سجا دیتے ہیں ویرانوں کو (مظفر وارثی)

بہادر خان کی شادی نہایت آسانی سے اور دھوم دھام سے ہوئی۔ وہ اپنے علاقے کا معزز شخص تھا۔ اس کے کردار، شہرت اور مالی حیثیت کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں اس کا احترام تھا۔ گاؤں کے لوگ اسے ایک کامیاب اور اچھے انسان کے طور پر جانتے تھے، اسی لیے اس کی شادی بھی خوشی کے ماحول میں انجام پائی۔

شادی سے پہلے وہ اپنے کھیتوں میں خوب محنت کرتا تھا۔ وہ زمین کو اپنی زندگی کا مرکز سمجھتا تھا۔ اس کی ساری توجہ اپنے کھیتوں کی دیکھ بھال اور فصلوں کی افزائش پر ہوتی تھی۔ وہ نہ صرف جسمانی طور پر کام کرتا بلکہ ذہنی طور پر بھی منصوبہ بندی کرتا تھا کہ کس وقت کیا بویا جائے، کب پانی دیا جائے، کس موقع پر کھاد ڈالی جائے اور کس طرح فصل کو کیڑوں یا نقصان سے محفوظ رکھا جائے۔ یہی دور اندیشی اسے ایک کامیاب کسان بناتی تھی۔ بہادر خان کے لیے گندم کے خوشے صرف کھانے پینے کی چیز نہیں تھے بلکہ ان سے اس کا جذباتی تعلق بھی تھا۔ وہ ان خوشوں کو اپنے بچوں کی طرح سمجھتا تھا۔ وہ ان کے پھلنے پھولنے پر خوش ہوتا، ان کے لیے دعائیں کرتا اور ان کی حفاظت کے لیے فکر مند رہتا تھا۔ جب گندم کے خوشے سبز سے سنہری رنگ میں تبدیل ہو کر جھک جاتے تو اس کے دل میں خوشی کی لہر دوڑ جاتی تھی۔ یہ خوشی صرف فصل پکنے کی نہیں بلکہ اپنی محنت کا ثمر حاصل ہونے کی تھی۔ ایک کسان جو سارا سال زمین پر کام کرتا ہے، دھوپ میں پسینہ بہاتا ہے اور پھر جب وہ فصل لہلہاتی دیکھتا ہے تو اس کے دل میں جو سکون اور اطمینان پیدا ہوتا ہے، وہ کسی نعمت سے کم نہیں ہوتا۔

؎ پک کر تیار ہوئی فصل تو لہرانے لگی کٹ کے کھیتوں سے چلی گھر تو چہکنے لگی

بہادر خان اکثر کہا کرتا تھا کہ اناج سے بھرے خوشے اپنے مالک کو پہچانتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ جو شخص زمین سے محبت کرتا ہے، محنت سے کام کرتا ہے، زمین بھی اسے جواب میں محبت دیتی ہے۔ وہ فصل بھی زیادہ پیدا کرتی ہے اور اس کے چہرے پر خوشی کے آثار لاتی ہے۔ وہ کہتا تھا کہ ان خوشوں میں زندگی کی مسرتیں چھپی ہوئی ہیں کیوں کہ یہ انسان کی محنت کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ جو شخص ان سے پیار کرتا ہے، وہ بھی اس سے پیار کرتے ہیں۔ گویا زمین اور انسان کا ایک باہمی رشتہ ہے جو خلوص، محنت اور محبت پر قائم ہے۔

؎ حلال رزق کا مطلب کسان سے پوچھو پسینا بن کے بدن سے لہو نکلتا ہے

جب انسان خلوصِ دل سے محنت کرتا ہے تو فطرت بھی اس کے سامنے جھک جاتی ہے۔ جیسے گندم کے خوشے سر جھکا لیتے ہیں، ویسے ہی کامیابی بھی اس شخص کے سامنے جھک جاتی ہے جو ایمان داری سے کوشش کرتا ہے، وہ جانتا تھا کہ قدرت ان لوگوں کو کبھی مایوس نہیں کرتی جو خلوص کے ساتھ محنت کرتے ہیں۔ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے:

لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (سورۃ النجم:39)

ترجمہ: ''انسان کے لیے وہی ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔''

عبارت نمبر 2

شادی کے بعد اس کے معمول میں تھوڑا سا فرق آنا لازمی تھا۔ شادی سے پہلے اُسے پسند نہ تھا کہ کوئی اور اس کے کھیتوں کے ان خوشوں کو چھو بھی لے۔ ان سے اس کی محبت خود غرض، والہانہ اور حاسدانہ تھی۔ لیکن جب شادی ہوگئی تو وہ سوچنے لگا کہ بونے کاٹنے کے لیے ایک نوکر رکھ لے۔ یہ نوکر بھی اسے اس کی منشا کے مطابق مل گیا۔ وہ ہر وقت کھیتوں سے فالتو گھاس اور کائی وغیرہ صاف کرتا، وقت پر پانی دیتا، بیلوں کو چارہ ڈالتا اور فصلوں کی خاطر تواضع میں لگا رہتا تھا۔ بس تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد وہ حقے کے دو چار کش لگا تا تھا، یہی اس کی عیاشی تھی اور پھر جن کی طرح کام کرتا تھا۔

سیاق و سباق

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف بتاتے ہیں کہ بہادر خان ایک خوددار اور خوش حال کسان تھا، جو کاریز کے پانی سے سیرابی کر کے نہ صرف اپنی ضروریات پوری کرتا بلکہ دوسروں کی بھی مدد کرتا تھا۔ اپنی اسی فیاضی اور معاشی آزادی کے باعث وہ اپنے علاقے میں نیک نام تھا۔ وہ اپنی فصلوں سے اولاد جیسا پیار کرتا اور ان کی پرورش میں دن رات محنت کرتا تھا۔ اس کا پختہ یقین تھا کہ فصلیں اپنے مالک کو پہچانتی ہیں اور محبت کرنے والوں کے لیے برکت کا باعث بنتی ہیں۔

تشریح طلب عبارت کے بعد مصنف بتاتے ہیں کہ بہادر خان کے نوکر کی موت پر گاؤں والوں نے اسے مردہ سمجھ لیا۔ واپسی پر لوگ اسے بھوت سمجھ کر خوف زدہ ہو گئے۔ مصیبت تب بڑھی جب ایک جادوگر نے مردہ ملا کو اس کے پیچھے لگا دیا۔ طویل عذاب کے بعد، بہادر خان نے جادوگر کو مجبور کر کے ملا کو دوبارہ قبر میں دفن کروایا۔ بالآخر اپنے رشتے داروں کی گواہی سے اس نے گاؤں والوں پر حقیقت آشکار کر دی۔

تشریح

انور رومان اپنے عہد کے ممتاز ماہرِ تعلیم، مؤرخ، محقق، شاعر، مترجم اور فکشن نگار تھے۔ انھوں نے مختلف علاقائی زبانوں کی کہانیوں کو قابلِ فہم اور دل نشیں انداز میں اردو میں منتقل کیا ہے۔ ''بہادر خان کی سرگزشت'' لوک داستان کا خوب صورت اردو ترجمہ ہے جس میں انسانی جذبات کی ترجمانی، زبان کی سادگی اور روانی اور قصے کی دل نشینی نمایاں ہے۔

تشریح طلب عبارت میں بہادر خان کی کیفیت اور اس کے اندر پیدا ہونے والی تبدیلی کو بیان کیا گیا ہے جو شادی سے

پہلے اپنے کھیتوں اور ان میں اُگنے والی فصلوں سے بے پناہ محبت رکھتا تھا۔ اس کی محبت اس حد تک شدید تھی کہ وہ برداشت نہیں کر سکتا تھا کہ کوئی دوسرا شخص اس کے کھیتوں کے خوشوں یعنی بالیوں یا فصل کے پھولوں کو ہاتھ لگائے۔ وہ سمجھتا تھا کہ یہ اس کی محنت کا پھل ہیں، اس کی زندگی کا سرمایہ ہیں، اس کے دل کے بہت قریب ہیں، اس لیے ان کی حفاظت اور دیکھ بھال صرف وہ خود ہی کر سکتا ہے۔ وہ کسی دوسرے کو ان کے قریب آنے بھی نہیں دیتا تھا۔ یہ محبت کسی حد تک انسان کی فطری جبلت کا حصہ ہے کہ جب کوئی چیز اپنی محنت سے حاصل کرے تو اسے دوسروں کے حوالے کرنا مشکل محسوس ہوتا ہے۔

؎ مٹی سے جو ہو عشق تو پھر کیا نہیں ملتا بنجر بھی یہاں پھولوں کا صحرا نہیں ملتا

زندگی کے کچھ تقاضے ایسے ہوتے ہیں جو انسان کو بدل دیتے ہیں۔ شادی کے بعد ذمہ داریاں بڑھ جاتی ہیں، دل کے جذبات کا رخ بھی کچھ تبدیل ہو جاتا ہے۔ انسان کا دھیان ایک نئی سمت میں چلا جاتا ہے۔ یہی حال بہادر خان کا ہوا۔

؎ تجھے یقین تو نہیں ہے مگر یہی سچ ہے میں تیرے واسطے عمریں گزار سکتا ہوں

اب وہ اپنے کھیتوں میں پہلے کی طرح سارا وقت نہیں گزار پاتا تھا۔ پہلے وہ صبح سے شام تک کھیتوں میں مگن رہتا، خوشوں کی دیکھ بھال کرتا، بیلوں کو سنبھالتا، زمین کو پانی دیتا، فصل کی گھاس صاف کرتا تھا۔ لیکن اب اسے احساس ہوا کہ وہ اب تنہا کھیتوں پر اتنی توجہ نہیں دے سکتا۔ لہٰذا اس نے سوچا کہ کوئی نوکر رکھ لینا چاہیے جو اس کی غیر موجودگی میں کھیتوں کی دیکھ بھال کرے۔ یہ فیصلہ بھی اس کے لیے آسان نہیں تھا۔ پہلے تو وہ کبھی کسی کو اپنے کھیتوں کے قریب بھی نہیں آنے دیتا تھا، لیکن اب اسے ماننا پڑا کہ حالات بدل چکے ہیں۔ اس نے اپنے دل کو سمجھایا کہ محبت کی تقسیم ایک فطری عمل ہے۔ انسان کے دل میں محبت کی ایک محدود مقدار ہے اور جب وہ کسی نئے رشتے میں بندھتا ہے تو وہ محبت اپنے آپ تقسیم ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اپنی مرضی کے خلاف اس بات پر تیار ہو گیا کہ کھیتوں کی نگہداشت کے لیے ایک نوکر رکھ لے۔

خوش قسمتی سے اسے ایک ایسا نوکر مل گیا جو اس کی توقعات کے عین مطابق تھا۔ وہ نہایت محنتی، ایمان دار اور کام کا ماہر تھا۔ وہ کھیتوں سے ہر وقت فالتو گھاس اور کائی صاف کرتا رہتا، بیلوں کو وقت پر چارا ڈالتا، کھیتوں کو سیراب کرتا اور زمین کو سنوار کر رکھتا تھا۔ اس نوکر کی ایک چھوٹی سی کمزوری تھی کہ وہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد حقہ پیتا تھا۔ اس کی عادت یا عیاشی یہی تھی۔ حقہ اس کے لیے تفریح یا آرام کا ذریعہ تھا۔ جب وہ چند کش لگا لیتا تو پھر پہلے سے زیادہ جوش و جذبے کے ساتھ کام کرنے لگتا۔ وہ اتنی تیزی اور محنت سے کام کرتا کہ گویا کوئی جن ہو جو لمحوں میں زمین کو بدل دے گا۔ نوکر کی محنت اور سادگی بھی ایک دیہی زندگی کی جھلک پیش کرتی ہے۔ دیہات کا محنت کش انسان اپنی ضرورتوں میں سادہ مگر اپنے کام میں مخلص ہوتا ہے۔ وہ زیادہ عیش و عشرت نہیں چاہتا۔ بس ایک حقہ، ایک روٹی اور کام سے محبت اس کے لیے کافی ہے۔ اس کسان کا نوکر بھی ایسا ہی تھا۔ وہ جن کی طرح کام کرتا اور تھکنے کا نام نہ لیتا، بس ذرا سا آرام کے لیے حقہ پیتا اور پھر کھیتوں کی طرف دوڑ پڑتا۔

یہ تفصیل صرف ایک کسان کی ذاتی زندگی کی نہیں، بلکہ انسانی فطرت کی ایک گہری تصویر ہے۔ انسان کی محبت، توجہ اور دل چسپی ایک مقام پر نہیں ٹھہرتی۔ جیسے جیسے زندگی کے مراحل بدلتے ہیں، ویسے ویسے محبت کا رخ بھی بدلتا ہے۔ شادی انسان کے جذبات کی دنیا میں ایک نیا باب کھولتی ہے۔ یہ وہ تعلق ہے جس میں انسان کی محبت سب سے زیادہ گہری، خالص اور قربانی سے بھرپور ہوتی ہے۔ چناں چہ جب بہادر خان اپنی بیوی کے لیے محبت محسوس کرنے لگا تو قدرتی طور پر اس کی توجہ کھیتوں کی طرف کچھ کم ہو گئی۔

؎ ہوش والوں کو خبر کیا بے خودی کیا چیز ہے عشق کیجیے پھر سمجھیے زندگی کیا چیز ہے (ندا فاضلی)

عبارت نمبر 3

خدا کے فضل سے ان دنوں بارش خوب ہوئی اور بہادر خان کے بنجر کھیت بھی پانی سے بھر گئے۔ نوکر نے ان کھیتوں میں بھی گندم بو دی جو چند ماہ بعد پک کر تیار ہو گئی۔ بہادر خان نے جب پوری گندم کو کٹوایا اور خاردار جھاڑیوں کے پاس جو ہان

(کھلیان) لگوا دیا تو گاؤں کے سب لوگ، راہ گیر اور ارد گرد کے دیہات کے باشندے اسے دیکھنے آتے اور اسے کہتے: ''بہادر خان! تو بہت اونچے ستارے والا ہے، تجھے بیوی بھی سلیقے والی ملی ہے اور تیرا نوکر بھی اچھے شگون والا ہے۔'' وہ خود اس وسیع انبار کو آنکھ بھر کر دیکھتا تو سر سے پیر تک ایک خاموش قہقہہ بن جاتا۔ لیکن کچھ خوف، کچھ نامعلوم ڈر، کچھ بے نام سے شکوک اس کے دل و دماغ میں رینگتے۔ وہ سوچتا جب غریب آدمی باسی ٹکڑوں کو ترستا ہے تو وہ کسی کے لیے خطرہ نہیں ہوتا۔ لیکن جونہی اسے دو وقت کی روٹی میسر آنے لگتی ہے وہ خطرہ بن جاتا ہے اور جب اس کا گھر بھر جائے تو پھر زمین اور آسمان کی ساری طاقتیں اس کے درپے ہو جاتی ہیں اور وہ آسمان کی طرف نظر اٹھا کر کہتا: ''خدایا! یہ سب تیری دَین ہے۔''

سیاق و سباق

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف بتاتے ہیں کہ بہادر خان ایک خوددار اور خوش حال کسان تھا، جو کاریز کے پانی سے سیراب اپنے کھیتوں کی بدولت نہ صرف خود کفیل تھا بلکہ دوسروں کی مدد بھی کرتا تھا۔ وہ اپنی فصلوں سے اولاد کی طرح محبت کرتا تھا۔ شادی سے قبل اس کی یہ محبت والہانہ اور حاسدانہ تھی، مگر بعد میں کام میں مدد کے لیے ایک محنتی نوکر رکھنے سے اس کے معمول اور زرعی معاملات میں نمایاں تبدیلی آ گئی۔

تشریح طلب عبارت کے بعد مصنف بتاتے ہیں کہ بہادر خان کے نوکر کی موت کے بعد اسے غلطی سے بہادر خان سمجھ کر دفن کر دیا گیا۔ جب بہادر خان واپس آیا تو لوگ اسے بھوت سمجھ کر ڈر گئے۔ ایک جادوگر نے مُلا کی لاش کو بہادر خان کے ساتھ لگا دیا، جس سے اس کی پریشانیاں بڑھ گئیں۔ آخر کار بہادر خان نے جادوگر کی مدد سے ملا کی لاش سے پیچھا چھڑایا اور رشتے داروں کی مدد سے لوگوں کو حقیقت بتا کر اپنی زندگی معمول پر بحال کی۔

تشریح

انور رومان اپنے عہد کے ممتاز ماہرِ تعلیم، مؤرخ، محقق، شاعر، مترجم اور فکشن نگار تھے۔ انھوں نے مختلف علاقائی زبانوں کی کہانیوں کو قابلِ فہم اور دل نشیں انداز میں اردو میں منتقل کیا ہے۔ ''بہادر خان کی سرگزشت'' لوک داستان کا خوب صورت اردو ترجمہ ہے جس میں انسانی جذبات کی ترجمانی، زبان کی سادگی اور روانی اور قصے کی دل نشینی نمایاں ہے۔

تشریح طلب عبارت میں مصنف کہتے ہیں کہ بہادر خان پر اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی ہوئی اور اس کی محنت رنگ لائی۔ قدرت نے اس پر اپنا فضل و کرم کیا، بارشیں خوب ہوئیں اور جن کھیتوں میں پہلے گھاس پھوس تک نہیں اگتی تھی، وہ بھی پانی سے بھر گئے۔ ان بنجر زمینوں میں جب نوکر نے گندم کا بیج ڈالا تو قدرت کے کرم سے وہ گندم تیزی سے اگ کر سنہری خوشوں میں ڈھل گئی۔ چند مہینوں میں وہ کھیت جو کبھی ویران اور بے جان نظر آتے تھے، اب لہلہاتے سنہرے کھیتوں کی صورت اختیار کر گئے۔ بہادر خان نے جب ان کھیتوں کی فصل کٹوائی اور غلے کا انبار تیار کیا تو وہ منظر دیکھنے کے لائق تھا۔

گاؤں کے لوگ، راہ گیر اور آس پاس کے زمین دار سب حیرت زدہ ہو کر یہ منظر دیکھنے آتے۔ وہ بہادر خان کو مبارک باد دیتے ہوئے کہتے کہ تم بہت خوش قسمت ہو، تمھارے ستارے بلند ہیں۔ تمھاری بیوی بھی نیک بخت ہے اور تمھارا نوکر بھی اچھی قسمت والا نکلا۔ گویا ہر شخص اس کامیابی کو اچھی قسمت اور اللہ کی رحمت سے تعبیر کر رہا تھا۔ لوگوں کے یہ الفاظ بہادر خان کے دل میں خوشی کے چراغ تو جلاتے، مگر ساتھ ہی اس کے دل کے کسی کونے میں ایک انجانا سا خوف بھی جنم لیتا۔ وہ اپنی کامیابی پر خوش تو ہوتا، لیکن اس خوشی کے ساتھ ایک عجیب سا احساس بھی جاگ اٹھتا جو اسے چین سے بیٹھنے نہ دیتا۔ جب وہ اپنے وسیع کھلیان کو دیکھتا، جہاں گندم کے انبار لگے ہوئے تھے تو اس کی آنکھوں میں ایک خاموش سی مسکراہٹ ابھرتی۔ وہ دل ہی دل میں خوش ہوتا کہ آخر کار اس کی محنت رنگ لے آئی۔ مگر اس کے ساتھ ہی وہ کچھ سوچ میں پڑ جاتا۔ اس کے دل میں ایک سوال ابھرتا کہ آخر یہ خوشی کب تک ہے؟ کیا دولت اور غلہ انسان کو ہمیشہ سکون دے سکتے ہیں؟ اس کے ذہن میں کچھ انجانے وسوسے آ جاتے، کچھ نامعلوم اندیشے جن کی وجہ سے وہ مطمئن نہ ہو پاتا۔

وہ اپنے ماضی کو یاد کرتا کہ جب وہ غریب تھا، جب اس کے پاس دو وقت کی روٹی بھی میسر نہ تھی، تب کوئی اس سے حسد نہیں کرتا تھا اور کوئی اسے خطرہ نہیں سمجھتا تھا۔ اس وقت وہ ایک عام انسان تھا جس کا کسی پر کوئی اثر نہیں تھا۔ لیکن اب جب اس کے کھیت لہلہانے لگے، اس کا گھر اناج سے بھر گیا تو اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ جب انسان خوش حال ہو جاتا ہے، جب وہ محرومی سے نکل کر آسودگی کی طرف آتا ہے تو لوگ اس سے حسد کرنے لگتے ہیں۔ گویا غربت میں انسان بے ضرر ہوتا ہے، لیکن خوش حالی میں وہ دوسروں کے لیے خطرہ بن جاتا ہے۔ بقول شیخ سعدیؒ:

''اونچے محلوں پر بجلیاں پہلے گرتی ہیں اور مال و دولت والے ہمیشہ حاسدوں کی زد میں رہتے ہیں۔''

یہ خیال اس کے دل میں گہرائی تک اتر گیا کہ جب انسان کے حالات بہتر ہو جاتے ہیں تو دنیا کی طاقتیں، لوگ، زمانہ اور خود قدرت کے کچھ اصول بھی اس کے امتحان کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ وہ محسوس کرتا کہ دولت کے ساتھ آزمائشیں بھی بڑھتی ہیں۔ جب تک انسان خالی ہاتھ ہوتا ہے، وہ محفوظ ہوتا ہے، لیکن جیسے ہی اس کے ہاتھ میں کچھ آتا ہے، اسے لالچ، دشمنی، حسد، اور خوف کے طوفان گھیر لیتے ہیں۔ یہی وہ کیفیت ہے جسے بہادر خان محسوس کر رہا تھا۔ بظاہر تو وہ خوش نصیب تھا، لیکن اندر سے وہ ایک انجانے خوف میں مبتلا تھا۔ اس خوف کی کوئی خاص وجہ نہیں تھی، مگر دل کی گہرائیوں میں اسے یہ احساس تھا کہ دنیا کی خوشیاں زیادہ دیر تک قائم نہیں رہتیں۔ وہ سوچتا کہ شاید یہ آسائشیں عارضی ہیں، شاید اس کی قسمت پھر سے کوئی موڑ لے لے۔

بہادر خان کے دل کا یہ خوف دراصل زندگی کی حقیقت کو ظاہر کرتا ہے۔ کامیابی کے ساتھ ذمہ داری اور آزمائش آتی ہے۔ غریب انسان سادہ ہوتا ہے، دنیا کی چالوں سے بے خبر، مگر دولت ملنے کے بعد وہ دنیا کے پیچ و خم کو محسوس کرنے لگتا ہے۔ اسے حسد کرنے والے نظر آتے ہیں، دشمنی کے آثار دکھائی دیتے ہیں اور وہ سمجھنے لگتا ہے کہ اب اسے اپنے مال و دولت کی حفاظت بھی کرنی ہے۔ یہی احساس انسان کے اندر خوف پیدا کرتا ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ جب انسان خالی ہاتھ ہوتا ہے تو اس کے پاس کھونے کو کچھ نہیں ہوتا، اس لیے وہ بے خوف ہوتا ہے۔ لیکن جب وہ کچھ حاصل کر لیتا ہے تو اسے ہر لمحہ یہ ڈر ستاتا ہے کہ کہیں یہ سب چھن نہ جائے۔ بہادر خان کی یہی کیفیت تھی۔ اس کے پاس اب دولت، زمین، فصل سب کچھ تھا، لیکن دل میں سکون نہیں تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ یہ نعمتیں قائم رہیں، مگر اسے معلوم تھا کہ دنیا کی چیزیں عارضی ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ؕ (سورۃ النحل۔ آیت نمبر:96)

ترجمہ: جو کچھ تمھارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے ہمیشہ رہنے والا ہے۔

اسی سوچ میں وہ خدا کی طرف رجوع کرتا ہے۔ جب وہ آسمان کی طرف نظریں اٹھاتا ہے تو اس کے دل سے ایک سچی دعا نکلتی ہے: ''خدایا! یہ سب تیری دین ہے۔'' یہ جملہ اس کے ایمان، شکر اور عاجزی کی عکاسی کرتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ انسان جتنی بھی محنت کر لے، اصل کامیابی خدا کی مرضی کے بغیر ممکن نہیں۔ چناں چہ وہ اپنے دل میں یہ اعتراف کرتا ہے کہ اگر بارش نہ ہوتی، اگر زمین میں زرخیزی پیدا نہ ہوتی، اگر قدرت اس پر مہربان نہ ہوتی تو آج وہ کچھ بھی حاصل نہ کر پاتا۔ یہی احساس اسے انسانیت کے قریب لے آتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ انسان کی اصل طاقت اس کی محنت نہیں بلکہ اس کے خالق کی رحمت ہے۔ خدا چاہے تو بنجر زمین کو بھی لہلہاتے کھیتوں میں بدل دیتا ہے اور جب چاہے سرسبز باغوں کو ویران کر دیتا ہے۔ بقول مخمور دہلوی:

خدا جب تک نہ چاہے آدمی سے کچھ نہیں ہوتا ۔ مجھے معلوم ہے میری خوشی سے کچھ نہیں ہوتا

عبارت نمبر 4

چناں چہ اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ وہ خود بھی نوکر کے ہمراہ جوہان کے پاس ٹھہرا کرے گا۔ مبادا نوکر کی نیت خراب ہو جائے یا قزاق ہی اسے لوٹ لیں۔ بیوی نے اس سے اتفاق کیا۔ بہادر خان اور نوکر وہیں رہنے لگے۔ بیوی ہر صبح اور شام ان کا کھانا وہاں دے آتی۔ اسی طرح کئی روز گزر گئے حتیٰ کہ ایک شام جب اس کی بیوی آندھی چلنے کی وجہ سے کھانا وقت سے پہلے دے کر جا چکی

تھی، اس کا ایک دُور کا سیال (رشتے دار) وہیں کھیت میں اس کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اس کے چچازاد بھائی لشکر ان کی شادی تھی جس پر وہ بلاوا لے کر آیا ہے۔ بہادر خان نے سوچا کہ ایسے مواقع بار بار تھوڑا ہی آتے ہیں۔ چناں چہ اس نے اس بلاوے پر جانا منظور کرلیا۔ اس کی جیب میں سو روپیا تھا جو شادی کے لیے کافی تھا۔ اس نے نوکر کو سمجھا دیا کہ وہ انبار کی حفاظت کرتا رہے اور اس کے جانے کی بابت کسی سے ذکر نہ کرے مبادا چور اچکے اسے تنہا سمجھ کر، اس پر پل نہ پڑیں اور گھر سے جو روٹی آئے وہ کھالیا کرے۔ اس کے بعد بہادر خان اپنے سیال کے ساتھ روانہ ہوگیا۔

سیاق و سباق

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف بتاتے ہیں کہ بہادر خان ایک خوددار کسان تھا جو اپنی فصلوں سے والہانہ محبت کرتا تھا۔ شادی کے بعد ایک مخلص نوکر اور اچھی بارشوں کی بدولت اس کی پیداوار میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ فصل کا انبار دیکھ کر لوگ اسے خوش نصیب کہتے، مگر بہادر خان کے دل میں انجانا خوف بیٹھ گیا۔ اسے محسوس ہونے لگا کہ معاشی خوش حالی انسان کے لیے سکون کے بجائے نئے خطرات اور مشکلات کا پیش خیمہ بن جاتی ہے۔

تشریح طلب عبارت کے بعد مصنف بتاتے ہیں کہ بہادر خان کے نوکر کے جلنے پر گاؤں والوں نے اسے بہادر خان سمجھ کر دفن کر دیا۔ گھر واپسی پر لوگ اسے بھوت سمجھ کر خوف زدہ ہوگئے اور ایک ملا کی موت نے مصیبت مزید بڑھا دی۔ جادوگر نے ملا کی لاش کو بہادر خان کے پیچھے لگا دیا۔ بالآخر، بہادر خان نے جادوگر کو مجبور کر کے ملا کو قبر میں واپس بھجوایا اور رشتہ داروں کی مدد سے لوگوں پر اپنی حقیقت واضح کی۔

تشریح

انور رومان اپنے عہد کے ممتاز ماہرِ تعلیم، مؤرخ، محقق، شاعر، مترجم اور فکشن نگار تھے۔ انھوں نے مختلف علاقائی زبانوں کی کہانیوں کو قابلِ فہم اور دل نشیں انداز میں اردو میں منتقل کیا ہے۔ ''بہادر خان کی سرگزشت'' لوک داستان کا خوب صورت اردو ترجمہ ہے جس میں انسانی جذبات کی ترجمانی، زبان کی سادگی اور روانی اور قصے کی دل نشینی نمایاں ہے۔

تشریح طلب عبارت میں مصنف کہتے ہیں کہ بہادر خان ایک محنتی اور سمجھ دار کسان تھا، جسے اپنی ذمہ داریوں کا پورا احساس تھا۔ اس کے پاس غلے کا ڈھیر تھا جو کھیت میں پڑا ہوا تھا اور اس نے اپنے نوکر کو اس کی نگرانی کے لیے مقرر کیا ہوا تھا۔ چوں کہ وہ دیانت دار بھی تھا اور محتاط مزاج بھی، اس لیے اس نے سوچا کہ اگر نوکر کو اکیلا چھوڑ دیا گیا تو ممکن ہے وہ بہک جائے یا کسی لالچ میں آ جائے یا پھر کہیں لٹیرے حملہ کر کے سارا سامان لوٹ نہ لیں۔

یہی سوچ کر بہادر خان نے اپنی بیوی سے کہا کہ وہ خود بھی نوکر کے ساتھ وہاں کھیت میں ٹھہرا کرے گا تا کہ کھلیان محفوظ رہے۔ اس نے اپنی بیوی کو اعتماد میں لیا اور بیوی نے بھی اس سے اتفاق کیا، کیوں کہ دونوں میاں بیوی کے درمیان اعتماد اور باہمی سمجھ بوجھ موجود تھی۔ بیوی نے یہ نہیں کہا کہ تم گھر چھوڑ کر کیوں جا رہے ہو۔ بلکہ اس نے اس فیصلے کو تسلیم کیا کیوں کہ اسے بھی اپنے شوہر کی نیک نیتی اور ذمہ داریوں پر بھروسا تھا۔ یوں بہادر خان اور نوکر کھیت میں رہنے لگے۔ بیوی صبح و شام ان کا کھانا دے جاتی تھی۔ بہادر خان اور نوکر کا معمول تھا کہ وہ دونوں دن رات کھیت میں رہ کر غلے کے ڈھیر کی نگرانی کرتے اور بیوی وقت پر کھانا پہنچا دیتی تھی۔ اس سادہ سی زندگی میں ایک اطمینان اور دیانت کی خوش بو جھلکتی ہے۔ بہادر خان اپنے کام کو ایمان داری سے انجام دیتا تھا اور اپنی دیانت و فرض شناسی کو صرف باتوں سے نہیں بلکہ عمل سے ظاہر کرتا تھا۔ حضرت علیؓ کا فرمانِ مبارک ہے:

''سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ انسان اپنے فرائض کو پہچانے اور انھیں وقت پر ادا کرے۔''

کئی دن اسی طرح گزر گئے۔ پھر ایک دن اتفاق سے موسم خراب ہوگیا۔ آندھی چلنے لگی۔ بہادر خان کی بیوی نے سوچا کہ اگر وہ وقت پر کھانا لے کر گئی تو راستے میں کوئی مشکل پیش آسکتی ہے، لہٰذا وہ احتیاطاً کھانا معمول سے کچھ پہلے ہی دے کر واپس آ

گئی۔ اسی شام ایک نیا واقعہ پیش آیا۔ بہادر خان کا ایک دور کا رشتہ دار، اس کے پاس کھیت میں آ پہنچا۔ اس نے بتایا کہ اس کے خاندان میں اس کے چچازاد بھائی لشکران کی شادی ہے اور وہ بہادر خان کو بلانے آیا ہے۔ دیہاتوں میں رشتہ داریوں کا خاص لحاظ رکھا جاتا ہے۔ کسی کے گھر شادی ہو یا غم، عزیز و اقارب کی موجودگی کو ضروری سمجھا جاتا ہے۔ لہٰذا جب بہادر خان کو یہ بلاوا ملا تو وہ سوچنے لگا کہ ایسے مواقع بار بار نہیں آتے۔ یہ بھی ایک قدرتی انسانی جذبہ ہے کہ خوشی کے مواقع پر انسان اپنے پیاروں کے ساتھ شامل ہونا چاہتا ہے۔ بہادر خان نے کچھ دیر سوچنے کے بعد فیصلہ کیا کہ وہ شادی میں ضرور جائے گا۔ اس کی جیب میں سو روپے تھے، جو اُس زمانے میں ایک معقول رقم تھی۔ وہ جانتا تھا کہ شادی میں جانے کے لیے کچھ رقم خرچ ہوگی، کپڑے، تحفے یا سفر کے لیے۔ مگر پھر بھی وہ تیار ہو گیا کیوں کہ اس کا خیال تھا کہ عزیزوں کے ساتھ میل جول رکھنا بھی ضروری ہے۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں:

''اپنے رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کرو، کیوں کہ وہ تمھاری ڈھال ہیں اور تمھاری خوشی و غمی میں سب سے پہلے کام آنے والے لوگ وہی ہیں۔''

شادی پر جانے سے پہلے بہادر خان نے اپنے نوکر کو سمجھایا کہ وہ غلے کے انبار کی اچھی طرح حفاظت کرتا رہے۔ اس نے تاکید کی کہ میری غیر حاضری کا کسی سے ذکر نہ کرے، کیوں کہ اگر لوگوں کو پتا چل گیا کہ وہ اکیلا ہے تو چور اچکے یا لٹیرے اس پر حملہ کر سکتے ہیں اور سارا مال لوٹ کر لے جا سکتے ہیں۔ یہ ہدایت بہادر خان کی دور اندیشی کو ظاہر کرتی ہے۔ وہ جانتا تھا کہ دنیا میں اچھے اور برے دونوں طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ اگر کسی کو خبر ہو گئی کہ مالک نہیں ہے، تو ہو سکتا ہے کہ وہ کمزور نوکر کو دیکھ کر موقع سے فائدہ اٹھا لیں۔ اس لیے اس نے نوکر کو تاکید کی کہ خاموشی سے اپنا فرض نبھائے، کسی پر بھروسا نہ کرے اور جو روٹی گھر سے آئے وہ کھا لیا کرے۔ یہ گفت گو بہادر خان کی سمجھ داری اور تجربے کو ظاہر کرتی ہے۔ وہ جانتا ہے کہ دنیا میں اچھے برے دونوں طرح کے لوگ ہوتے ہیں، اس لیے احتیاط ضروری ہے۔ وہ اپنے نوکر پر اعتماد کرتا ہے لیکن ساتھ ہی وہ اس کی رہنمائی بھی کرتا ہے تاکہ کوئی نقصان نہ ہو۔

عبارت نمبر 5

اس کے بعد بہادر خان اپنے سیال کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ نوکر ایک زبردست چلم کشوک تھا اور خصوصاً فرصت کے اوقات میں تو وہ اپنے حقے سے ایک لمحہ بھی جدا نہ ہوتا تھا۔ اس نے اِدھر اُدھر سے خس و خاشاک جمع کر کے آگ سلگائی۔ اگرچہ وہ کافی فاصلے پر جھاڑیوں کے وسط میں بیٹھا تھا، تاہم ایک غضب ناک بگولے نے اس آگ کے کچھ انگارے اٹھا کر جوہان میں پھینک دیے۔ جوہان کو آناً فاناً آگ لگ گئی تو نوکر گندم کو بچانے کے لیے دوڑا لیکن وہ خود بھی اس کی بل کھاتی ہوئی لپٹوں کی نذر ہو گیا۔ اگلی صبح بہادر خان کی بیوی روٹی لے کر جو آئی تو اس نے دیکھا کہ بہادر خان جوہان سمیت جل گیا تھا۔ وہ روتی پیٹتی واپس آ گئی اور اپنے سیالوں کو بتایا۔ وہ جلے ہوئے نوکر کو بہادر خان سمجھ کر کھاٹ پر ڈال کر لے گئے اور ایک قبرستان میں دفن کر آئے۔

سیاق و سباق

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف بتاتے ہیں کہ بہادر خان ایک خوددار اور محنتی کسان تھا جو اپنی فصلوں سے اولاد جیسا پیار کرتا تھا۔ خوش حالی کے بعد، کام میں مدد کے لیے اس نے ایک مخلص نوکر رکھا۔ فصل اچھی ہونے پر اناج کا ڈھیر لگ گیا تو اسے اپنی دولت کے تحفظ کا ڈر ستانے لگا۔ اسی فکر میں وہ نوکر کے ساتھ کھلیان پر پہرہ دینے لگا، تاہم ایک مجبوری کے تحت اسے نوکر کو اکیلا چھوڑ کر شادی میں جانا پڑا۔

تشریح طلب عبارت کے بعد مصنف بتاتے ہیں کہ بہادر خان شادی سے واپسی پر رات گئے گاؤں پہنچا تو اسے مردہ سمجھ کر سب خوف زدہ ہو گئے۔ ایک جادوگر کے منتر سے مُلّا کی لاش اس کے ساتھ چپک گئی، جس سے گاؤں میں شدید دہشت پھیل گئی۔ آخرکار، بہادر خان نے جادوگر کو پکڑ کر مُلّا کو دوبارہ قبر میں دفن کروایا۔ سچائی واضح ہونے پر گاؤں والوں کا خوف ختم ہوا اور سب خوش ہو گئے۔

تشریح

انور رومان اپنے عہد کے ممتاز ماہرِ تعلیم، مؤرخ، محقق، شاعر، مترجم اور فکشن نگار تھے۔ انھوں نے مختلف علاقائی زبانوں کی کہانیوں کو قابلِ فہم اور دل نشیں انداز میں اردو میں منتقل کیا ہے۔ ''بہادر خان کی سرگزشت'' لوک داستان کا خوب صورت اردو ترجمہ ہے جس میں انسانی جذبات کی ترجمانی، زبان کی سادگی اور روانی اور قصے کی دل نشینی نمایاں ہے۔

تشریح طلب عبارت میں ایک نہایت دردناک اور عبرت انگیز واقعہ بیان کیا گیا ہے جس میں انسانی غفلت، تقدیر کا فیصلہ اور قدرت کے نظام کی جھلک صاف نظر آتی ہے۔ یہ واقعہ بہادر خان اور اس کے نوکر کے گرد گھومتا ہے جو ایک عام دیہاتی ماحول میں پیش آتا ہے لیکن اس کے اندر ایک گہرا سبق پوشیدہ ہے۔ انسان کی زندگی میں چھوٹی سی غفلت بھی بڑے نقصان یا حادثے کا باعث بن سکتی ہے اور بعض اوقات قدرت کے فیصلے انسان کے فہم و ادراک سے بالاتر ہوتے ہیں۔ بقول مولانا رومی:

''تمھاری ہر مشکل کے پیچھے ایک ایسی حکمت چھپی ہوتی ہے جو تمھاری سوچ سے زیادہ وسیع اور تمھاری توقعات سے زیادہ گہری ہوتی ہے۔''

تشریح طلب عبارت میں مصنف بتاتے ہیں کہ بہادر خان اپنے سیال کے ساتھ سفر پر جاتا ہے اور غلے کی نگرانی کے لیے اپنے نوکر کو چھوڑ جاتا ہے۔ یہ نوکر چلم پینے کا بہت شوقین تھا، بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ حقے کے بغیر ایک لمحہ بھی نہیں رہ سکتا تھا۔ یہ عادت اس کے لیے ایک تفریح بھی تھی اور کمزوری بھی، کیوں کہ وہ اپنے فارغ اوقات میں اکثر حقہ پی کر وقت گزارتا تھا۔ جب بہادر خان چلا گیا تو نوکر نے فرصت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنا حقہ تیار کرنے کا ارادہ کیا۔ اس نے اردگرد سے کچھ خس و خاشاک یعنی خشک پتے، لکڑیاں اور جھاڑیاں جمع کیں تاکہ آگ جلائی جا سکے۔ وہ اس آگ کو جھاڑیوں کے بیچ ایک فاصلے پر جلا کر بیٹھ گیا تاکہ اطمینان سے چلم پی سکے۔ ابتدا میں سب کچھ معمول کے مطابق تھا، لیکن قدرت کو کچھ اور منظور تھا۔ اچانک ایک زبردست بگولا اٹھا، بگولا دراصل ہوا کا وہ تیز جھونکا ہوتا ہے جو اپنے ساتھ گرد و غبار اور ہلکی چیزیں اٹھا کر فضا میں لے جاتا ہے۔ اس بگولے نے آگ کے کچھ انگارے اڑائے جو غلے کے ڈھیر یعنی جوہان میں جا گرے۔

جوہان، کھلیان کو کہتے ہیں۔ کاٹی ہوئی فصل کا ڈھیر جسے گاہنے یعنی غلہ کو بھوسے سے الگ کرنے کے لیے انبار لگایا جاتا ہے تاکہ کٹی ہوئی فصل سوکھ جائے اور آسانی سے بھوسا اور غلہ الگ الگ کیا جا سکے۔ چوں کہ یہ جگہ خشک تنکوں اور بھوسے سے بھری ہوتی ہے، اس لیے آگ لگنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ جب وہ انگارے جا کر جوہان میں گرے تو چند لمحوں میں ہی وہاں آگ بھڑک اٹھی۔ آگ پھیلنے میں زیادہ دیر نہ لگی، کیوں کہ ہوا تیز تھی اور جوہان خشک تھا۔ نوکر جب یہ منظر دیکھتا ہے تو گھبرا جاتا ہے۔ وہ گندم بچانے کے لیے دوڑتا ہے۔ نوکر نے پوری کوشش کی کہ وہ آگ بجھا دے تاکہ غلہ بچ جائے، مگر اس کوشش میں وہ خود بھی آگ کی لپیٹ میں آ گیا۔ آگ کی لپٹیں بل کھاتی ہوئی اس کے جسم کو گھیر لیتی ہیں اور وہ لمحوں میں جل کر خاک ہو جاتا ہے۔ یہ حادثہ اتنا تیزی سے ہوتا ہے کہ کسی کو خبر ہی نہیں ہوتی۔ وہ وہاں اکیلا تھا اور مدد کے لیے بھی کوئی موجود نہیں تھا۔ رات بھر میں کھلیان جل گیا، اور جب صبح ہوئی تو وہاں صرف راکھ باقی تھی۔

زندگی اک حادثہ ہے اور کیسا حادثہ — موت سے بھی ختم جس کا سلسلہ ہوتا نہیں (جگر مرادآبادی)

اگلی صبح جب بہادر خان کی بیوی معمول کے مطابق اپنے شوہر کے لیے روٹی لے کر آتی ہے تو وہ دیکھتی ہے کہ جہاں گندم کا جوہان تھا، وہاں سب کچھ جل کر خاک ہو چکا ہے۔ وہ منظر دیکھ کر اس کے ہوش اڑ جاتے ہیں۔ اسے معلوم ہوتا ہے کہ بہادر خان اور جوہان دونوں جل گئے ہیں۔ وہ سمجھتی ہے کہ جو لاش وہاں پڑی ہے وہ اس کے شوہر کی ہے، حالاں کہ حقیقت میں وہ نوکر کی جلی ہوئی لاش تھی۔ وہ روتی پیٹتی واپس اپنے قبیلے میں جاتی ہے اور انھیں خبر دیتی ہے کہ بہادر خان جل گیا ہے۔ سب لوگ افسردہ اور غمگین ہو جاتے ہیں۔ وہ جاتے ہیں، لاش اٹھاتے ہیں اور نہلا کفنا کر پورے احترام کے ساتھ اسے قبرستان میں دفن کر دیتے ہیں۔ ان کے دلوں میں دکھ ہوتا ہے، وہ بہادر خان کو یاد کرتے ہیں اور اسے ایک الم ناک انجام پانے والا شخص سمجھ کر افسوس کرتے ہیں۔ کسی کو یہ

احساس نہیں ہوتا کہ قبر میں جسے دفن کیا گیا ہے وہ اصل میں بہادر خان نہیں بلکہ اس کا نوکر ہے۔ حضرت علیؓ کا فرمان مبارک ہے:

''میں نے اپنے رب کو اپنے ارادوں کے ٹوٹنے سے پہچانا ہے۔''

دراصل زندگی اور موت کا فیصلہ انسان کے ہاتھ میں نہیں ہوتا۔ بہادر خان سلامت رہتا ہے، لیکن اس کے نوکر کی موت ایسی بھیانک صورت میں ہو جاتی ہے کہ لوگ دونوں کو خلط ملط کر بیٹھتے ہیں۔ قدرت کے نظام میں کبھی کبھی ایسے واقعات رونما ہوتے ہیں جنھیں انسان کی عقل سمجھ نہیں پاتی۔ بظاہر یہ حادثہ ایک اتفاق لگتا ہے، لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو انسان کی معمولی غفلت، جیسے چلم پینے کے لیے آگ جلانا، بعض اوقات ناقابلِ تلافی نقصان کا سبب بن جاتی ہے۔ کبھی کبھار قسمت بھی انسان کے ساتھ عجیب کھیل کھیلتی ہے۔ بہادر خان جو بے فکر ہو کر گیا تھا، اس نے شاید سوچا بھی نہ ہوگا کہ اس کے جانے کے بعد اس کے کھیت میں اتنا بڑا سانحہ پیش آ جائے گا۔ اس کا نوکر جو محض وقت گزاری کے لیے چلم پی رہا تھا، اپنی ہی غفلت کا شکار ہو کر اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے اور پھر غلط فہمی میں پورا قبیلہ اسے بہادر خان سمجھ لیتا ہے۔

انسان کو ہمیشہ محتاط اور سمجھ داری سے کام لینا چاہیے۔ غفلت، جلد بازی اور بے فکری زندگی کو تباہ کر سکتی ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ تقدیر کے فیصلوں کے آگے انسان بے بس ہے، کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا ہو جائے گا۔

عبارت نمبر 6

کچھ دن بعد بہادر خان اپنی سیال داریوں سے خلاصی پا کر اپنے گھر کو واپس ہوا اور نیم شب کے قریب گھر پہنچا۔ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس کی بیوی ماتم کر رہی ہے اور رو رہی ہے۔ بیوی نے اسے دیکھ لیا اور سمجھی کہ اس کا شوہر مردہ سے زندہ ہو کر واپس آیا ہے تاکہ اسے بھی اپنے ساتھ لے جائے۔ پس اس نے ایک چیخ ماری اور سارے تومان (قبیلے) کو بتانے کے لیے باہر بھاگی۔ ہر شخص کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ بہت سے پہاڑوں میں چھپ گئے۔ کچھ نے اپنے کندھوں پر اپنی اپنی بندوقیں رکھ لیں۔ کچھ نے بغلوں میں تلواریں لٹکائیں اور سینوں پر ڈھال جما لیے اور بہت سوں نے ڈنڈے سنبھال لیے اور ''جوانو! پکڑ لو، جانے نہ پائے'' کہ کر بے چارے بہادر خان کا تعاقب کرنے لگے۔

سیاق و سباق

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف بتاتے ہیں کہ بہادر خان ایک خوددار اور محنتی کسان تھا، جس کی زندگی میں ایک حادثے نے بھونچال پیدا کر دیا۔ گندم کی حفاظت کے دوران میں نوکر اپنی لاپروائی سے لگی آگ میں نوکر بھی جل مرا، جسے گاؤں والوں نے بہادر خان سمجھ کر دفن کر دیا۔ جب بہادر خان لوٹا تو لوگ اسے بھوت سمجھ کر ڈرنے لگے۔

تشریح طلب عبارت کے بعد مصنف بتاتے ہیں کہ شادی سے واپسی پر بہادر خان کو لوگوں نے بھوت سمجھ لیا۔ ایک جادوگر کے عمل سے مُلّا کی لاش اس کے ساتھ سایہ بن کر چمٹ گئی، جس نے اس کی زندگی عذاب کر دی۔ آخر کار بہادر خان نے جادوگر کو مجبور کر کے لاش دوبارہ دفن کروائی، رشتہ داروں کی مدد سے اپنی اصلیت ثابت کی اور دوبارہ معمول کی زندگی شروع کی۔

تشریح

انور رومان اپنے عہد کے ممتاز ماہرِ تعلیم، مؤرخ، محقق، شاعر، مترجم اور فکشن نگار تھے۔ انھوں نے مختلف علاقائی زبانوں کی کہانیوں کو قابلِ فہم اور دل نشیں انداز میں اردو میں منتقل کیا ہے۔ ''بہادر خان کی سرگزشت'' لوک داستان کا خوب صورت اردو ترجمہ ہے جس میں انسانی جذبات کی ترجمانی، زبان کی سادگی اور روانی اور قصے کی دل نشینی نمایاں ہے۔

اس عبارت میں مصنف نے انسانی نفسیات، غلط فہمیوں اور دیہاتی ماحول میں پائے جانے والے جذباتی ردِ عمل کو نہایت خوب صورتی سے بیان کیا ہے۔ اس حصے میں ایک ایسا واقعہ پیش کیا گیا ہے جو بہادر خان کی زندگی کا نہایت حیرت انگیز موڑ ثابت ہوتا ہے۔ وہ کچھ عرصے کے بعد جب اپنے گھر واپس آتا ہے تو اسے ایسے حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے جس کا اسے کوئی گمان بھی نہیں تھا۔

تشریح طلب عبارت میں مصنف بتاتے ہیں کہ بہادر خان اپنی ذمہ داریوں اور مصروفیات سے فارغ ہو کر جب اپنے گاؤں واپس آتا ہے تو آدھی رات کا وقت ہوتا ہے۔ اس وقت عموماً گاؤں میں خاموشی چھائی ہوتی ہے، لوگ اپنے گھروں میں سوئے ہوتے ہیں اور ہر طرف سناٹا ہوتا ہے۔ جب وہ اپنے گھر کے قریب پہنچتا ہے تو اسے ایک غیر متوقع منظر دکھائی دیتا ہے۔ اس کی بیوی گھر میں بیٹھی رو رہی ہوتی ہے۔ بہادر خان کے لیے یہ منظر نہایت حیران کن ہوتا ہے کیوں کہ وہ تو زندہ سلامت واپس آیا ہے، پھر اس کی بیوی کیوں رو رہی ہے؟ جب بیوی کی نظر اپنے شوہر پر پڑتی ہے تو وہ گھبرا جاتی ہے۔ چوں کہ اس نے یہ یقین کر لیا تھا کہ اس کا شوہر مر چکا ہے، اس لیے جب وہ اچانک رات کے وقت اسے اپنے سامنے دیکھتی ہے تو اسے یقین نہیں آتا کہ یہ حقیقت ہے۔ وہ یہ سمجھتی ہے کہ اس کا شوہر مرنے کے بعد قبر سے نکل کر اسے اپنے ساتھ لے جانے کے لیے آیا ہے۔ یہ دیہاتی اور قدیم طرزِ فکر کی ایک عام مثال ہے جہاں لوگ غیر متوقع یا غیر معمولی واقعات کو ماورائی یا روحانی رنگ دیتے ہیں۔ بیوی کے دل میں خوف گھر کر لیتا ہے اور وہ شدید گھبراہٹ کے عالم میں چیخ مارتی ہے۔ عربی مقولہ ہے:

اَلْخَوْفُ بَصِیْرٌ وَالشَّجَرُ خَیَّالاً

''خوف درختوں کو بھی بھوت بنا کر دکھاتا ہے۔''

اس کی چیخ سنتے ہی گاؤں میں ہلچل مچ جاتی ہے۔ بیوی باہر بھاگ کر اپنے قبیلے والوں کو خبر دیتی ہے کہ بہادر خان کی روح واپس آ گئی ہے۔ دیہاتوں میں ایسی خبریں بڑی تیزی سے پھیل جاتی ہیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے پورا قبیلہ جاگ اٹھتا ہے۔ لوگ خوف و ہراس میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ہر شخص اپنے انداز میں اس خطرے سے نمٹنے کی تیاری کرتا ہے۔ کچھ لوگ پہاڑوں کی طرف بھاگ جاتے ہیں تاکہ محفوظ رہ سکیں۔ کچھ لوگ یہ سوچ کر اپنے ہتھیار سنبھالتے ہیں کہ شاید یہ کوئی جن یا آسیب کا معاملہ ہے جس سے مقابلہ کرنا ضروری ہے۔ حضرت علیؓ کا فرمانِ مبارک ہے:

''جو شخص بلا تحقیق کسی بات پر یقین کر لیتا ہے، وہ اپنی عقل کا دشمن ہے۔''

کہانی کے اس حصے میں انسانی فطرت کا ایک اہم پہلو نمایاں ہوتا ہے، وہ یہ کہ انسان جس چیز کو سمجھ نہیں پاتا، اس سے خوف کھاتا ہے۔ گاؤں کے لوگوں نے بہادر خان کو زندہ دیکھ کر یہ سوچنے کی بجائے کہ وہ حقیقت میں واپس آ گیا ہے، فوراً یہ نتیجہ نکال لیا کہ وہ مردہ دوبارہ جی اٹھا ہے۔ بہت سے لوگوں نے اپنے کندھوں پر بندوقیں رکھ لیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ہر ممکن خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار تھے۔ کچھ نے تلواریں بغلوں میں ڈال لیں اور ڈھالیں سینوں پر باندھ لیں۔ یہ سب اس بات کی علامت ہے کہ گاؤں کے لوگ اپنی جان، عزت اور گاؤں کی حفاظت کے لیے کس حد تک تیار رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ کچھ نے تو محض ڈنڈے ہی اٹھا لیے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے دلوں میں خوف بھی تھا اور غیرت بھی۔ وہ یہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ ان کے علاقے میں کوئی غیر مرئی طاقت یا روح گھومے اور وہ خاموش بیٹھے رہیں۔ ایک دانا کا قول ہے:

''انسان کا سب سے بڑا دشمن اس کا وہم ہے کیوں کہ وہ اس چیز سے ڈرتا ہے جس کا وجود ہی نہیں ہوتا۔''

ان کے نعروں سے ماحول مزید سنسنی خیز بن جاتا ہے۔ ''جوانو! پکڑ لو! جانے نہ پائے!'' یعنی ہر شخص ایک دوسرے کو ہمت دلا رہا ہے۔ سب اس بھوت یا روح کو قابو میں کرنے کے لیے نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ خوف کے عالم میں لوگ عقل سے زیادہ جذبات سے کام لیتے ہیں۔ ادھر بے چارہ بہادر خان تو بالکل بے خبر ہوتا ہے کہ گاؤں والے اسے کیا سمجھ رہے ہیں۔ اس نے سوچا بھی نہیں ہوگا کہ اس کی اچانک آمد سے اس کے اپنے لوگ اس قدر خوف زدہ ہو جائیں گے۔ وہ تو خوشی خوشی اپنے گھر واپس آیا تھا۔ لیکن اس کے نصیب میں ایک اور امتحان لکھا تھا۔ قبیلے کے لوگ بھوت یا آسیب سمجھ کر اس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔

یہ واقعہ دراصل انسان کی لاعلمی اور غلط فہمیوں کی انتہا کو ظاہر کرتا ہے۔ ایک طرف بہادر خان کی سچائی ہے، ایک زندہ انسان جو اپنے گھر آیا ہے۔ دوسری طرف لوگوں کی توہم پرستی اور خوف ہے جو حقیقت کو قبول کرنے کی بجائے وہم اور گمان پر یقین کرتی ہے۔ جب

انسان کے اندر خوف زیادہ ہوتا ہے تو وہ عقل سے کام نہیں لیتا بلکہ جذبات میں بہہ جاتا ہے۔ یہی حال گاؤں والوں کا تھا۔ دراصل سنی سنائی باتوں پر یقین کرنے سے پہلے حقیقت کو جانچنا چاہیے۔ بیوی نے اگر ایک لمحے کے لیے غور کیا ہوتا، اگر وہ اپنے شوہر سے بات کر لیتی تو شاید سارا قبیلہ اس خوف سے بچ جاتا۔ لیکن جلد بازی اور وہم نے معاملے کو بگاڑ دیا۔

؎ دل کے پھپھولے جل اُٹھے سینے کے داغ سے اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے (مہتاب رائے تاباں)

مختصر یہ کہ خوف، جہالت اور جلد بازی انسان کو عقل و شعور سے محروم کر دیتے ہیں۔ جب انسان حقیقت کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتا تو وہ خود اپنے لیے مشکلات پیدا کرتا ہے۔ انسان کو ہر حال میں تحمل، سمجھ داری اور حقیقت پسندی سے کام لینا چاہیے۔ کیوں کہ بعض اوقات جو چیز ہمیں خوف ناک لگتی ہے، وہ حقیقت میں بالکل بے ضرر ہوتی ہے۔ بہادر خان کی کہانی اسی سچائی کو نہایت خوب صورت اور دل کش انداز میں بیان کرتی ہے۔

عبارت نمبر 7

بہادر خان چار و نا چار بھوکا اور پیاسا ایک قبرستان میں شب بسری کے لیے چھپ گیا اور تارے گن گن کر صبح کا انتظار کرنے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ آخر لوگوں نے اسے بھوت پریت کیوں سمجھا۔ شاید اس لیے کہ وہ رات کے وقت اپنے گھر پہنچا تھا۔ بہر حال اسے یقین تھا کہ اس کے لوگ صبح کو اس کو پہچان لیں گے۔ اس امید پر اس نے رات مردوں کے قریب گزار دی۔ صبح صبح وہ بھوک کے مارے اپنے گاؤں میں پھر داخل ہوا۔ اس نے مُلّا کو دیکھا۔ بہادر خان نے کہا: ''میں بھوکا ہوں۔'' مُلّا بہادر خان کو دیکھ کر اتنا خوف زدہ ہو گیا کہ بے ہوش ہو کر گر پڑا اور زمین پر لوٹ کر مر گیا اور لوگ یہ دیکھ کر اپنے اپنے گھروں میں چھپ گئے۔ بہادر خان کو اسی سبب سے پھر قبرستان میں لوٹنا پڑا۔

سیاق و سباق

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف بتاتے ہیں کہ ایک خوددار کسان بہادر خان اپنی محنت سے خوش حال تھا۔ دولت بڑھنے پر وہ اس کے تحفظ کے لیے فکر مند رہنے لگا۔ ایک تقریب میں جانے پر نوکر کی غفلت سے لگی آگ نے اناج اور نوکر کو راکھ کر دیا۔ گاؤں والوں نے نوکر کو بہادر خان سمجھ کر دفن کر دیا۔ جب بہادر خان واپس آیا تو اسے زندہ دیکھ کر سب لوگ اسے بھوت سمجھ کر مارنے کے لیے دوڑ پڑے۔

تشریح طلب عبارت کے بعد مصنف بتاتے ہیں کہ ایک غلط فہمی کی وجہ سے گاؤں والے بہادر خان کو مردہ سمجھ کر خوف زدہ ہو گئے۔ قبرستان میں ایک جادوگر کے سحر سے مُلّا کی لاش اس کے ساتھ مستقل وابستہ ہو گئی، جس سے سب پریشان رہے۔ تنگ آ کر بہادر خان نے جادوگر کو مجبور کر کے مُلّا کو دوبارہ دفن کروایا اور پھر رشتہ داروں کی مدد سے اپنی زندگی بحال کی۔

تشریح

انور رومان اپنے عہد کے ممتاز ماہرِ تعلیم، مؤرخ، محقق، شاعر، مترجم اور فکشن نگار تھے۔ انھوں نے مختلف علاقائی زبانوں کی کہانیوں کو قابلِ فہم اور دل نشیں انداز میں اردو میں منتقل کیا ہے۔ ''بہادر خان کی سرگزشت'' لوک داستان کا خوب صورت اردو ترجمہ ہے جس میں انسانی جذبات کی ترجمانی، زبان کی سادگی اور روانی اور قصے کی دل نشینی نمایاں ہے۔

تشریح طلب عبارت میں مصنف کہتے ہیں کہ بہادر خان کا تعلق ایک ایسے گاؤں سے تھا جہاں لوگ ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے تھے، مگر قسمت نے اس کے ساتھ ایک عجیب کھیل کھیلا۔ وہ اپنے ایک رشتہ دار کی شادی میں شرکت کے لیے اپنے گاؤں سے باہر چلا گیا تھا اور کچھ عرصے بعد جب واپس آیا تو حالات کچھ ایسے ہو چکے تھے کہ لوگ اسے پہچاننے کی بجائے خوف سے دور بھاگنے لگے۔ وہ حادثے کے باعث لوگوں کی نظر میں ایک ''مردہ'' یا ''بھوت'' سمجھا گیا۔ یہی وجہ تھی کہ جب وہ رات کے وقت گاؤں پہنچا تو کسی نے اسے اپنا نہیں سمجھا بلکہ اسے کوئی غیر مرئی مخلوق یا آسیب سمجھ لیا۔

؎ سوچ کی راہوں میں وہم کا اک ایسا ہجوم سچ کا چہرہ بھی یہاں جھوٹ دکھائی دے (محسن احسان)

؎ مدتوں بعد گھر گیا تھا میں جاتے ہی میں وہاں سے ڈر آیا (جون ایلیا)

رات کا وقت ویسے بھی خاموشی اور تنہائی کا ہوتا ہے۔ بہادر خان کے لیے یہ رات اور بھی زیادہ اذیت ناک تھی کیوں کہ وہ تھکا ہوا، بھوکا، پیاسا اور بے سہارا تھا۔ اس کے پاس نہ کوئی ٹھکانا تھا، نہ کوئی دوست یا عزیز جس کے پاس وہ پناہ لیتا۔ وہ مجبور ہو کر ایک قبرستان میں چلا گیا تا کہ رات وہیں گزار سکے۔ چناں چہ بہادر خان مُردوں کے درمیان رات بسر کرنے پر مجبور ہو گیا۔

قبرستان میں رات کا منظر بہت پُراسرار ہوتا ہے۔ وہاں صرف ہوا کی سرسراہٹ، درختوں کے سوکھے پتوں کی کھڑکھڑاہٹ اور کہیں کہیں کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ بہادر خان وہاں اکیلا بیٹھا آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا اور بے چینی سے صبح ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ وہ اپنے ماضی، اپنے لوگوں اور اپنے گاؤں کے بارے میں سوچتا رہا۔ اس کے دل میں یہ امید تھی کہ جب صبح ہوگی اور سورج طلوع ہوگا تو لوگ اسے پہچان لیں گے۔ وہ سمجھتا تھا کہ شاید رات کے اندھیرے میں لوگ اسے ٹھیک طرح سے دیکھ نہیں پائے، اس لیے وہ خوف زدہ ہو گئے۔

یہ امید ہی اس کے زندہ رہنے کا سہارا تھی۔ وہ سوچتا رہا کہ صبح جب لوگ روشنی میں اسے دیکھیں گے تو وہ کہیں گے کہ یہ تو ہمارا اپنا بہادر خان ہے، جو کہیں گیا ہوا تھا۔ مگر تقدیر نے اس کے لیے کچھ اور ہی فیصلہ کر رکھا تھا۔ صبح کو جب وہ بھوک سے نڈھال ہو کر اپنے گاؤں کی طرف جانے لگا تو اس کے قدموں میں لڑکھڑاہٹ تھی۔ اس کے چہرے پر بھوک اور تھکن کے آثار نمایاں تھے۔ مسجد سے اذان کی آواز آنے والی تھی۔ ملا اذان دینے کے لیے اپنے ہاتھ کانوں تک اٹھائے ہوئے تھا۔ یہ لمحہ عام طور پر گاؤں میں سکون اور روحانیت کا ہوتا ہے، مگر بہادر خان کی حالت اس لمحے بالکل مختلف تھی۔ وہ بھوک سے بے تاب ہو کر مسجد کی طرف بڑھا اور ملا سے کہا: ''اے ملا! میں بھوکا ہوں۔'' جوں ہی ملا نے منہ پھیر کر بہادر خان کو دیکھا تو خوف سے اس کی حالت غیر ہو گئی۔ شاید ملا کا خیال تھا کہ بہادر خان مر چکا ہے اور اب وہ جو سامنے کھڑا ہے، وہ اس کا بھوت یا سایہ ہے۔ اسی خوف نے اسے جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔

ملا کے لیے یہ منظر ناقابلِ یقین تھا۔ اس نے سوچا کہ ایک مردہ شخص اس کے سامنے کھڑا ہے۔ خوف سے اس کا رنگ پیلا پڑ گیا، اس کے ہاتھ کانپنے لگے اور پھر وہ زمین پر گر پڑا۔ اس کے جسم میں کپکپی طاری ہو گئی، وہ لوٹنے لگا اور آخر کار وہ وہیں مر گیا۔ یہ منظر دیکھ کر گاؤں کے دوسرے لوگ بھی خوف زدہ ہو گئے۔ کسی نے چیخ ماری، کسی نے دروازہ بند کر لیا اور سب اپنے گھروں میں جا چھپے۔ کسی نے یہ جاننے کی کوشش نہ کی کہ اصل معاملہ کیا ہے۔ کسی نے بہادر خان سے یہ نہیں پوچھا کہ وہ کون ہے، کہاں سے آیا ہے یا کیا واقعی وہ زندہ ہے یا نہیں۔ سب نے بغیر سوچے سمجھے یہ فرض کر لیا کہ وہ کوئی غیر انسانی وجود ہے۔ بقول فلاسفر:

''کسی معاملے میں بلا سوچے سمجھے قدم مت اٹھاؤ کیوں کہ جلد بازی میں کیا گیا کام انسان کو ہمیشہ ندامت سے دوچار کرتا ہے۔''

یہ منظر معاشرے کے اس رویے کو ظاہر کرتا ہے جس میں خوف، وہم اور جہالت انسانیت پر غالب آ جاتی ہے۔ لوگ حقیقت کو جانچنے کی بجائے اپنی بنائی ہوئی کہانیوں پر یقین کرنے لگتے ہیں۔ بہادر خان کے لیے یہ سب کچھ بہت صدمے کا باعث تھا۔ وہ تو اپنے لوگوں سے ملنے، اپنا گھر دیکھنے اور اپنی زندگی دوبارہ شروع کرنے آیا تھا۔ مگر اس کے استقبال میں خوف، نفرت اور موت تھی۔ وہ دل ہی دل میں ٹوٹ گیا۔ اس نے محسوس کیا کہ اب اس کے لیے اس گاؤں میں کوئی جگہ نہیں رہی۔ وہ نہ زندوں میں شمار ہوتا تھا نہ مُردوں میں۔ یہ احساس اس کے لیے بہت اذیت ناک تھا۔ وہ مجبور ہو کر واپس اسی قبرستان کی طرف چل پڑا جہاں اس نے رات گزاری تھی۔ قبرستان اب اس کے لیے پناہ گاہ بن گیا تھا، کیوں کہ جیتے جاگتے لوگ اسے قبول کرنے سے انکار کر چکے تھے اور اب صرف مُردے ہی اس کے ساتھی تھے۔

مختصر یہ کہ یہ صرف بہادر خان کی ذاتی داستان نہیں بلکہ معاشرے کی بے حسی، تنگ نظری اور خوف کی علامت ہے۔ انسان اکثر ظاہری شکل و صورت یا حالات کو دیکھ کر فیصلے کر لیتا ہے، بغیر یہ سوچے کہ حقیقت کیا ہو سکتی ہے۔ بہادر خان زندہ تھا، مگر سب نے اسے مردہ سمجھ لیا۔ اس کے لیے دنیا کا سب سے بڑا المیہ یہی تھا کہ اس کی زندگی کی حقیقت کو سبھی نے ماننے سے انکار کر دیا تھا۔

عبارت نمبر 8

تھوڑے عرصے بعد لوگ مُلّا کو قبرستان لائے اور اسے دفن کر دیا۔ ان کے پاس آپس میں تقسیم کرنے کے لیے کھجوریں تھیں۔ مُلّا کے باپ نے پوچھا: کہ انھیں کتنے آدمیوں میں تقسیم کرنا ہے؟ کسی نے جواب دیا: ''سو آدمیوں میں''، عین اس وقت بہادر خان نے بھوک سے بے تاب ہو کر ایک قبر کے عقب سے نعرہ لگایا: ''سو آدمیوں کو دے دو لیکن پہلے میرا حصہ دو۔'' بہادر خان کی آواز سن کر لوگوں نے کھجوریں اور کھاٹ تو وہیں چھوڑے، بلکہ بہت سوں کی جوتیاں بھی وہیں رہ گئیں اور وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔ کچھ چیختے چلّاتے پہاڑوں میں چھپ گئے اور کچھ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگتے جاتے تھے اور پیچھے دیکھتے جاتے تھے۔ بہادر خان کے خوف کی وجہ سے وہ گھروں میں پہنچ گئے اور توبہ کی کہ وہ اپنے گھروں سے باہر نہیں نکلیں گے۔ بہادر خان نے سب لوگوں کو بھاگتے دیکھ کر مونچھوں کو تاؤ دیا اور کھجوریں کھانے لگا۔ اس نے دل میں کہا: ''میرے خدا! میں نے کیا گناہ کیا ہے؟ میرے گاؤں کے لوگ مجھے مردہ سمجھتے ہیں اور مجھ سے روپوشی اختیار کرتے ہیں۔ میری بیوی میرے سائے سے بھی گریز کرتی ہے۔''

سیاق و سباق

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف بتاتے ہیں کہ بہادر خان ایک خوددار کسان تھا جو اپنی فصلوں سے والہانہ محبت کرتا تھا۔ شادی کے بعد اس نے ایک نوکر رکھا، جس کی غفلت سے لگی آگ میں فصل اور نوکر دونوں جل گئے۔ گاؤں والوں نے نوکر کو بہادر خان سمجھ کر دفن کر دیا۔ جب بہادر خان واپس آیا، تو لوگ اسے بھوت سمجھ کر ڈر گئے اور اس پر حملہ کر دیا۔ اس غلط فہمی نے اسے اپنوں میں اجنبی اور در بدر کر دیا۔

تشریح طلب عبارت کے بعد مصنف بتاتے ہیں کہ جادو سیکھنے کی کوشش میں بہادر خان نے ایک جادوگر کو مجبور کیا، جس کے بدلے جادوگر نے ایک مردہ ملا کو اس کے پیچھے لگا دیا۔ ملا کے سائے کی طرح ساتھ رہنے سے لوگ بہادر خان کو آسیب سمجھ کر ڈر گئے۔ آخر کار، بہادر خان نے جادوگر کو مجبور کر کے ملا کو قبر میں واپس بھجوایا اور اپنی سچائی ثابت کی۔

تشریح

انور رومان اپنے عہد کے ممتاز ماہرِ تعلیم، مؤرخ، محقق، شاعر، مترجم اور فکشن نگار تھے۔ انھوں نے مختلف علاقائی زبانوں کی کہانیوں کو قابلِ فہم اور دل نشیں انداز میں اردو میں منتقل کیا ہے۔ ''بہادر خان کی سرگزشت'' لوک داستان کا خوب صورت اردو ترجمہ ہے، جس میں انسانی جذبات کی ترجمانی، زبان کی سادگی اور روانی اور قصے کی دل نشینی نمایاں ہے۔

تشریح طلب عبارت میں مصنف کہتے ہیں کہ گاؤں کی مسجد کے ملا کا انتقال ہو جاتا ہے۔ لوگ اس کا جنازہ پڑھ کر اسے قبرستان میں دفن کرتے ہیں۔ جنازے کے بعد ان کے پاس کچھ کھجوریں رہ جاتی ہیں جو غالباً فاتحہ یا خیرات کے لیے لائی گئی تھیں۔ اب لوگوں کو یہ فیصلہ کرنا ہوتا ہے کہ ان کھجوروں کو کس طرح تقسیم کیا جائے۔ ملا کے باپ نے سوال کیا کہ ان کھجوروں کو کتنے آدمیوں میں بانٹا جائے؟ کسی نے جواب دیا کہ ''سو آدمیوں میں''۔ یہ ایک عام سا جواب تھا لیکن یہیں سے کہانی کا رخ بدل جاتا ہے۔ عین اسی لمحے قبرستان کے ایک کونے سے ایک زوردار آواز آتی ہے: ''سو آدمیوں کو دے دو لیکن پہلے میرا حصہ دو!''

یہ آواز قبر کے پیچھے سے آتی ہے اور یہ دراصل بہادر خان کی تھی جو ایک قبر کے پیچھے بھوکا بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے جب لوگوں کو کھجوروں کی تقسیم کا ذکر کرتے سنا تو بے اختیار بول اٹھا۔ مگر اتفاق ایسا ہوا کہ اس وقت لوگوں کے ذہن میں کسی مردے کے بولنے کا تصور پیدا ہو گیا۔ قبر کے قریب سے انسانی آواز کا آنا ان کے لیے خوف ناک تجربہ تھا۔ انھوں نے یہ سوچا کہ شاید کوئی مردہ قبر سے بول اٹھا ہے۔ انسانی فطرت ہے کہ جب اسے کسی ایسی چیز کا سامنا ہوتا ہے جس کی سمجھ نہ آئے تو وہ فوراً خوف زدہ ہو جاتا ہے۔ یہی حال ان لوگوں کا ہوا۔ وہ سب اپنی جگہ سے سرپٹ دوڑنے لگے، کسی نے پلٹ کر دیکھنے کی ہمت نہ کی۔ سب نے اپنے ہاتھوں کی کھجوریں، چارپائی، اور یہاں تک کہ اپنی جوتیاں بھی وہیں چھوڑ دیں اور بھاگ نکلے۔ ایک دانا کے بقول:

''حقیقت اکثر پردے میں ہوتی ہے، اسے دیکھنے کے لیے عقل کی آنکھ اور صبر کا دامن ہونا ضروری ہے۔''

کوئی پہاڑوں کی طرف بھاگ گیا، کوئی اپنے گھر کی طرف اور سب ایک دوسرے کو پیچھے چھوڑنے کی کوشش میں تھے۔ کچھ لوگ چیختے چلاتے جا رہے تھے اور کچھ پیچھے مڑ مڑ کر دیکھ رہے تھے کہ کہیں وہ ''بولنے والا مردہ'' ان کے پیچھے تو نہیں آ رہا۔ جب وہ اپنے گھروں تک پہنچے تو انھوں نے توبہ کی کہ اب وہ گھر سے باہر نہیں نکلیں گے۔ ان کا یہ خوف ان کی لاعلمی اور وہم کا نتیجہ تھا۔ بہادر خان، جس کی آواز سے سب بھاگ گئے تھے، ان سب کو بھاگتے دیکھ کر حیران بھی ہوا اور خوش بھی۔ اس نے اپنی مونچھوں کو تاؤ دیا، اور یہ اس کی عادت تھی کہ جب خود پر ناز کرتا تھا تو مونچھوں کو تاؤ دیتا تھا، اور پھر مزے سے وہ کھجوریں کھانے لگا جو لوگ چھوڑ گئے تھے۔ پھر وہ اپنے حال پر افسوس بھی کرنے لگا اور دل میں کہنے لگا کہ میرے خدا! میں نے کیا گناہ کیا ہے؟ میرے گاؤں کے لوگ مجھے مردہ سمجھتے ہیں، مجھ سے چھپتے ہیں، میری بیوی میرے سائے سے بھی گریز کرتی ہے۔

؎ مرا رونا نہیں، رونا ہے یہ سارے گلستاں کا وہ گل ہوں میں، خزاں ہر گل کی ہے گویا خزاں میری (اقبالؒ)

یہ جملہ کہانی کا سب سے زیادہ دردناک اور گہرا حصہ ہے۔ اس میں بہادر خان کی بے بسی، تنہائی اور دکھ چھپا ہوا ہے۔ وہ دراصل زندہ ہے، مگر معاشرہ اسے مردہ سمجھ چکا ہے۔ اس کی زندگی ایک ایسی مثال بن گئی ہے جس میں انسان زندہ ہوتے ہوئے بھی مر جاتا ہے، کیوں کہ لوگ اس کی موجودگی کو قبول نہیں کرتے۔

مختصر یہ کہ انسان کو اپنی عقل اور صبر کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے۔ اگر گاؤں والے صبر اور ہوش سے کام لیتے تو وہ نہ صرف حقیقت جان لیتے بلکہ بہادر خان کی مدد بھی کر سکتے تھے۔ لیکن ان کی جہالت اور خوف نے ان کے اندر سے انسانی ہمدردی ختم کر دی۔ بہادر خان کا کردار دراصل اُن تمام انسانوں کی نمائندگی کرتا ہے جو سماج میں غلط فہمیوں اور بے جا تصورات کا شکار ہو کر تنہائی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ وہ لوگ جو حقیقت میں بے ضرر ہوتے ہیں، دوسروں کے وہم و گمان کے سبب خوف کی علامت بن جاتے ہیں۔

عبارت نمبر 9

آدھی رات کے قریب، جب کہ بہادر خان ایک قبر کے عقب میں بیٹھا قسمت کو کوستے کوستے اونگھ رہا تھا، ایک سیاہ پوش خوف ناک سا انسان قبرستان میں داخل ہوا اور سیدھا مُلّا کی قبر پر آ کر کھڑا ہو گیا۔ وہاں کھڑے ہو کر اس نے کچھ پڑھا۔ قبر شق ہو گئی اور مُلّا کی لاش گھٹنوں تک باہر آ گئی۔ بہادر خان سمجھ گیا کہ یہ کوئی جادوگر ہے جو تازہ لاشوں پر اپنے جادو کے تجربے کرتا ہے۔ چناں چہ اس نے سوچا کہ وہ جادوگر کو پکڑ کر اس سے جادو سیکھ لے۔ اس خیال سے وہ مکڑے مکڑے (چپکے چپکے) جادوگر کے پیچھے آیا اور پھر یکبارگی لپک کر اس نے اسے قابو کر لیا۔ جادوگر چلایا: ''مجھے چھوڑ دو۔ بہادر خان نے کہا: ''مجھے اپنا عجیب و غریب سحر سکھاؤ تو چھوڑوں گا۔'' جادوگر نے کہا: ''مجھے چھوڑ دو تو میں سکھا دوں گا۔''

آخر بہادر خان نے لیت و لعل کے بعد اسے چھوڑ دیا۔ جادوگر نے فوراً کوئی منتر پھونکا کہ بہادر خان جدھر جائے مُلّا بھی اس کے پیچھے پیچھے ادھر ہی جائے۔ جادوگر تو اس کے بعد غائب ہو گیا لیکن مُلّا سائے کی طرح بہادر خان کے ساتھ چپک گیا۔ وہ جدھر جاتا مُلّا بھی اس کے پیچھے پیچھے جاتا۔ بہادر خان نے سوچا: ''میں نے اپنے اوپر ایک اور عذاب مسلّط کر لیا کہ میں جدھر جاتا ہوں مُلّا بھی ادھر ہی جاتا ہے۔ لوگ مجھے دیکھ دیکھ کر ڈر رہے ہیں کہ میں نے مردہ مُلّا کو زندہ کر دیا ہے۔''

سیاق و سباق

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف بتاتے ہیں کہ بہادر خان ایک خوددار اور محنتی کسان تھا جو اپنی محنت سے خوش حال زندگی گزار رہا تھا۔ شادی کے بعد اس نے ایک نوکر رکھا تا کہ فصلوں کی دیکھ بھال بہتر ہو۔ ایک بار کھیتوں میں کام کے دوران میں نوکر کی غفلت سے آگ لگ گئی جس میں نوکر ہلاک ہو گیا، لیکن گاؤں والوں نے غلطی سے اسے بہادر خان سمجھ کر دفن کر دیا۔ جب بہادر خان لوٹا تو لوگ اسے بھوت سمجھ کر خوف زدہ ہو گئے اور اس سے دور بھاگنے لگے۔

تشریح طلب عبارت کے بعد مصنف بتاتے ہیں کہ بہادر خان ایک شادی سے واپسی پر جادوئی اثر کے باعث مُردہ مُلّا

کے تعاقب میں پھنس گیا۔ مُلّا کا ہر جگہ پیچھا کرنا پورے علاقے میں خوف کا سبب بنا، جس سے لوگ اسے آسیب زدہ سمجھ کر بھاگنے لگے۔ بہادر خان شدید ذہنی کرب سے دوچار رہا، مگر بالآخر اس نے جادوگر کو مجبور کر کے مُلّا کو واپس قبر میں دفن کروایا۔ بعد ازاں، رشتے داروں کی گواہی سے اس کی حقیقت واضح ہوئی اور زندگی معمول پر آ گئی۔

تشریح

انور رومان اپنے عہد کے ممتاز ماہرِ تعلیم، مؤرخ، محقق، شاعر، مترجم اور فکشن نگار تھے۔ انھوں نے مختلف علاقائی زبانوں کی کہانیوں کو قابلِ فہم اور دل نشیں انداز میں اردو میں منتقل کیا ہے۔ ''بہادر خان کی سرگزشت'' لوک داستان کا خوب صورت اردو ترجمہ ہے جس میں انسانی جذبات کی ترجمانی، زبان کی سادگی اور روانی اور قصے کی دل نشینی نمایاں ہے۔

تشریح طلب عبارت میں مصنف کہتے ہیں کہ ایک اندھیری اور سنسان رات کو بہادر خان قبرستان میں ایک قبر کے پیچھے بیٹھا اپنی قسمت کو بُرا بھلا کہہ رہا تھا۔ وہ مایوسی اور بے بسی کی حالت میں تھا، اس کے دل میں حسرت، غصہ، بے چینی اور افسوس کے جذبات تھے اور اسی کیفیت میں وہ اونگھ رہا تھا کہ اچانک ایک پراسرار واقعہ پیش آیا۔

آدھی رات کا وقت اور قبرستان کا سنسان ماحول ایک خوف ناک منظر کی عکاسی کرتا ہے۔ ایسے میں ایک سیاہ پوش، ڈراؤنا انسان قبرستان میں داخل ہوتا ہے۔ اس کی آمد سے فضا مزید خوف ناک ہو جاتی ہے۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا سیدھا ایک قبر کے پاس پہنچتا ہے جو ملا کی قبر تھی۔ یہ منظر خود بہادر خان کے لیے نہایت حیرت انگیز اور خوف ناک تھا۔ ملا کی قبر کے پاس آ کر کچھ پڑھنے لگا اور اچانک زمین پھٹ گئی، قبر شق ہو گئی اور ملا کی لاش گھٹنوں تک باہر آ گئی۔ یہ منظر بہادر خان کے رونگٹے کھڑے کر دینے کے لیے کافی تھا۔ بہادر خان فوراً سمجھ گیا کہ یہ کوئی عام شخص نہیں بلکہ جادوگر ہے، جو اپنے جادو کے تجربے تازہ قبروں پر کرتا ہے۔ اس کے ذہن میں فوراً لالچ نے سر اٹھایا۔ اس نے سوچا کہ اگر وہ اس جادوگر کو قابو کر لے تو وہ خود بھی جادو سیکھ سکتا ہے۔

وہ چپکے چپکے جادوگر کے پیچھے چلنے لگا۔ اندھیری رات میں قبرستان کی خاموشی اور بہادر خان کے دل کی دھڑکن دونوں مل کر ایک پراسرار فضا پیدا کر رہے تھے۔ جب جادوگر اپنے عمل میں مصروف تھا تو بہادر خان نے اچانک لپک کر اسے قابو کر لیا۔ جادوگر خوف زدہ ہو کر چلایا: ''مجھے چھوڑ دو!'' لیکن بہادر خان نے ضد کی کہ پہلے مجھے اپنا جادو سکھاؤ، پھر چھوڑوں گا۔ جادوگر نے بہانے سے کہا کہ اگر تم مجھے چھوڑ دو تو میں تمھیں جادو سکھا دوں گا۔ یہاں بہادر خان کی نادانی اور جلد بازی ظاہر ہوتی ہے۔ اسے یہ سمجھنا چاہیے تھا کہ ایک جادوگر جو قبروں پر عمل کر رہا ہے، وہ دھوکہ دینے میں دیر نہیں کرے گا۔ مگر بہادر خان نے جلد بازی اور لالچ کے باعث جادوگر کی بات پر یقین کر لیا۔ لیت و لعل کے بعد اس نے جادوگر کو چھوڑ دیا۔ یہ عمل اس کی سب سے بڑی غلطی ثابت ہوا۔ ایک عربی ضرب المثل ہے:

اَلعَجَلَةُ تُورِثُ النَّدَامَةَ

ترجمہ: ''جلد بازی ندامت کا باعث بنتی ہے۔''

جادوگر نے آزادی ملتے ہی ایک منتر پڑھا۔ وہ الفاظ بہادر خان کی سمجھ سے باہر تھے۔ اس منتر کا اثر فوراً ظاہر ہوا۔ جب بہادر خان نے دیکھا تو حیران رہ گیا کہ جس ملا کی لاش قبر سے باہر آئی تھی، وہ اب اس کے پیچھے چل رہی ہے۔ جادوگر خود غائب ہو گیا، لیکن ملا کی لاش اب اس کے ساتھ لگ گئی تھی۔ جہاں وہ جاتا، ملا بھی پیچھے پیچھے جاتا۔ یہ منظر نہ صرف ڈراؤنا تھا بلکہ بہادر خان کے لیے انتہائی مصیبت بن گیا۔ پہلے وہ قسمت کو کوس رہا تھا، اب اس نے اپنی نادانی سے اپنے لیے ایک اور مصیبت پیدا کر لی تھی۔ اب لوگ اسے دیکھ کر زیادہ خوف زدہ ہونے لگے۔ گاؤں کے لوگ کہنے لگے کہ بہادر خان نے مردہ ملا کو زندہ کر لیا ہے۔ وہ اسے جادوگر سمجھنے لگے۔ کوئی اس کے قریب آنے کی ہمت نہیں کرتا تھا۔ یوں وہ اکیلا اور خوف ناک شخصیت بن کر رہ گیا تھا۔

؎ اس کی ناکامیٔ قسمت پر کہاں تک روئیے غرق ہو جائے سفینہ جس کا ساحل کے قریب (افقر موہانی)

یہ عبارت نہ صرف ایک سنسنی خیز اور پراسرار واقعے کو بیان کرتی ہے بلکہ اس میں انسانی نفسیات، اخلاقیات اور انجام کی

گہری جھلک بھی موجود ہے۔ بہادر خان کی قسمت دراصل خود اس کے اعمال کی پیداوار تھی۔ اس کی زندگی کا یہ واقعہ ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ قسمت کو برا کہنے سے کچھ نہیں ہوتا، بلکہ انسان کو اپنی سوچ اور عمل کو درست کرنا ہوتا ہے۔ آخر میں، کہانی کی فضا ہمیں یہ احساس دلاتی ہے کہ انسان جب اندھیروں میں امید تلاش کرنے کی بجائے اندھیرے ہی کو اپنا سہارا بنالیتا ہے، تو وہ روشنی سے محروم ہو جاتا ہے۔ بہادر خان نے جادو کے ذریعے روشنی تلاش کی، مگر انجام میں اس نے اندھیرا ہی پایا۔

عبارت نمبر 10

ایک دفعہ بہادر خان بھوکا تھا۔ اس نے سوچا کہ میں فلاں فلاں پالیز (خربوزے وغیرہ کا کھیت) میں چلتا ہوں جو قریب ہی ہے، وہاں سے کچھ خربوزے اور تربوز توڑ کر کھاتا ہوں۔ چناں چہ وہ روانہ ہوا لیکن اس نے دیکھا کہ مُلّا بھی آ رہا ہے۔ اس نے کہا: ''او مُلّا! خدا کے لیے میرا پیچھا چھوڑ دو۔ لوگ تو مجھ سے پہلے ہی بھاگتے ہیں۔ تمھیں دیکھ کر اور بھی خوف زدہ ہو جاتے ہیں۔ مُلّا یہ سن کر تھوڑا سا ٹھٹکا لیکن جوں ہی بہادر خان چلنے لگا، مُلّا بھی اس کے پیچھے ہو لیا۔ بہادر خان نیمُلّا کی خوب مرمت کی لیکن اس کے باوجود بہادر خان کے پیچھے لگا رہا۔ بہادر خان نے اسے خوب زدوکوب کیا لیکنمُلّا پر کوئی اثر نہ ہوا۔ پھر غصے سے بے تاب ہو کر اس نے ملا کو قبرستان میں واپس لا کر اسے کھاٹ سے باندھ دیا۔ جس پر ملا کی لاش آئی تھی اور کہنے لگا: ''اب ہلو تو میں تمھیں دیکھوں گا۔'' اس کے بعد وہ روانہ ہوا۔

سیاق و سباق

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف بتاتے ہیں کہ بہادر خان ایک خوددار کسان تھا۔ ایک حادثے میں نوکر کے جل کر مر جانے پر گاؤں والوں نے اسے بہادر خان سمجھ کر دفن کر دیا۔ واپس آنے پر سب اسے بھوت سمجھ کر ڈر گئے۔ وہ قبرستان میں جا چھپا۔ آخر میں ایک جادوگر کے سحر سے مردہ ملا سائے کی طرح اس کے پیچھے لگ گیا، جس سے اس کی مصیبتیں بڑھ گئیں۔

تشریح طلب عبارت کے بعد مصنف بتاتے ہیں کہ بہادر خان جادو کے زیرِ اثر ایک ایسی اذیت میں گرفتار ہوا کہ مُلّا کی لاش اس کے ساتھ کھاٹ سمیت چپک گئی۔ جہاں بھی وہ جاتا، لاش اس کا پیچھا کرتی، جس سے گاؤں میں خوف و ہراس پھیل گیا۔ اس عذاب سے تنگ آ کر بہادر خان نے جادوگر کو پکڑ کر لاش کو واپس قبر میں دفن کروایا۔ بالآخر، رشتہ داروں کی مدد سے اس نے اپنی حقیقت واضح کی اور پرسکون زندگی کی طرف لوٹ آیا۔

تشریح

انور رومان اپنے عہد کے ممتاز ماہرِ تعلیم، مؤرخ، محقق، شاعر، مترجم اور فکشن نگار تھے۔ انھوں نے مختلف علاقائی زبانوں کی کہانیوں کو قابلِ فہم اور دل نشیں انداز میں اردو میں منتقل کیا ہے۔ ''بہادر خان کی سرگزشت'' لوک داستان کا خوب صورت اردو ترجمہ ہے جس میں انسانی جذبات کی ترجمانی، زبان کی سادگی اور روانی اور قصے کی دل نشینی نمایاں ہے۔

تشریح طلب عبارت میں مصنف بتاتے ہیں کہ بہادر خان بھوکا تھا۔ بھوک ایک قدرتی کیفیت ہے۔ ہر انسان جب بھوکا ہوتا ہے تو کھانے کے لیے کچھ تلاش کرتا ہے۔ لیکن یہ بھوک صرف جسمانی نہیں بلکہ روحانی اور اخلاقی کمزوری کی علامت بھی ہے۔ بھوک نے بہادر خان کو اس مقام تک پہنچا دیا کہ اس نے حلال و حرام کی تمیز بھلا دی۔ اس نے سوچا کہ قریب ہی ایک باغ ہے، وہاں جا کر کچھ خربوزے اور تربوز چرا لیتا ہوں۔ اس کی نیت چوری کرنے کی تھی۔ یہیں سے کہانی کا اخلاقی پہلو شروع ہوتا ہے۔ انسان جب کسی برے کام کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک کشمکش پیدا ہوتی ہے۔ وہ جانتا ہے کہ یہ غلط ہے لیکن پھر بھی وہ اپنی خواہش کے ہاتھوں مجبور ہو جاتا ہے۔ بہادر خان بھی اسی کیفیت میں مبتلا تھا۔ بھوک نے اس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت پر پردہ ڈال دیا تھا۔ وہ چوری جیسے گناہ کا ارادہ کر چکا تھا۔ اس نے اپنی نیت کو خود سے جائز ٹھہرانے کے لیے یہ سوچا کہ وہ بھوکا ہے، اس لیے اگر کچھ چرا بھی لے گا تو کوئی بڑی بات نہیں۔ یہی انسان کی فطری کمزوری ہے کہ وہ اپنے گناہ کے لیے عذر ڈھونڈ لیتا ہے

تا کہ ضمیر کی خلش کم ہو سکے۔ بقول امام ابن قیّم:

''گناہ کا عذر پیش کرنا گناہ سے بھی بڑا جرم ہے کیوں کہ یہ نفس کو بے قصور ثابت کرنے کی ایک سرکشی ہے۔''

بہادر خان چوری کی نیت سے باغ کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستے میں اس نے دیکھا کہ ملا بھی اس کے پیچھے آ رہا ہے۔ اس پر وہ چونک گیا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر ملا نے اسے دیکھا تو وہ اس کے ارادے کو سمجھ جائے گا اور اسے روکنے کی کوشش کرے گا۔ اس نے ملا سے کہا کہ ''او ملا! خدا سے ڈر اور میرا پیچھا چھوڑ دے۔ لوگ تو مجھ سے پہلے ہی بھاگتے ہیں، تمھیں دیکھ کر اور بھی خوف زدہ ہو جائیں گے۔'' یہ جملہ بظاہر طنزیہ ہے مگر اس میں بہادر خان کی اندرونی کیفیت چھپی ہوئی ہے۔ وہ دراصل اپنے ضمیر کی آواز سے بچنے کی کوشش کر رہا تھا۔

یہاں ملا کا کردار بہت اہم ہے۔ اگر ہم غور کریں تو ملا دراصل کسی انسان کا ضمیر یا نیکی کی علامت ہے جو برے کام کے وقت اسے روکنے کی کوشش کرتا ہے۔ جب انسان کسی غلط کام کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے دل کے اندر سے ایک آواز اٹھتی ہے کہ ''یہ مت کرو، یہ ٹھیک نہیں۔'' یہی آواز ملا کی صورت میں بہادر خان کے سامنے آئی تھی۔ بہادر خان چاہتا تھا کہ یہ آواز خاموش ہو جائے تا کہ وہ سکون سے چوری کر سکے۔ لیکن ملا اس کے پیچھے لگا رہا۔ بہادر خان جتنا اسے روکنے کی کوشش کرتا، وہ اتنا ہی اس کے ساتھ چلتا۔ یہ منظر انسان کی اندرونی حالت کی بہترین تصویر پیش کرتا ہے۔ جب انسان گناہ کی طرف بڑھتا ہے تو اس کا ضمیر بار بار اسے روکتا ہے، اگر وہ اس آواز کو نظر انداز کرتا رہے تو رفتہ رفتہ وہ بے حس ہونے لگتا ہے۔ بہادر خان کو بھی یہی حالت لاحق ہو رہی تھی۔ وہ اپنے ضمیر سے بھاگنا چاہتا تھا مگر وہ اس کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

''نیکی اچھے اخلاق کا نام ہے اور گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے اور تمھیں یہ پسند نہ ہو کہ لوگ اس کے بارے میں جان جائیں۔''
(صحیح مسلم)

بہادر خان غصے میں آ گیا اور اس نے ملا کو مارنا شروع کر دیا۔ اس نے اسے خوب زدوکوب کیا، لیکن اس کے باوجود ملا اس کے پیچھے لگا رہا۔ یہ واقعہ دراصل اس بات کی علامت ہے کہ انسان اپنے ضمیر کو دبا تو سکتا ہے لیکن مار نہیں سکتا۔ ضمیر ایک ایسی اندرونی قوت ہے جو انسان کو اس کے اعمال کا احساس دلاتی ہے۔ اگر انسان نیکی کرے تو یہی ضمیر اسے خوشی دیتا ہے اور اگر برائی کرے تو یہی ضمیر اسے ملامت کرتا ہے۔

بہادر خان نے ملا کو دوسری بار اور تیسری بار بھی مارا، لیکن کوئی اثر نہ ہوا۔ ملا پھر بھی اس کے پیچھے لگا رہا۔ اب بہادر خان کا غصہ اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔ وہ اپنے اندر کی بے چینی کو برداشت نہیں کر پا رہا تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اس سے ہمیشہ کے لیے نجات حاصل کرے گا۔ غصے سے بے قابو ہو کر اس نے ملا کو پکڑا، گھسیٹ کر قبرستان لے گیا اور وہاں اسے ایک چارپائی سے باندھ دیا۔ وہی چارپائی جس پر ملا کی لاش لائی گئی تھی۔ پھر بہادر خان نے کہا: ''اب ہلو تو میں تمھیں دیکھوں گا۔'' یہ جملہ بظاہر ایک کامیاب شخص کے غرور کی علامت ہے، مگر حقیقت میں یہ اس کے اندر کے خوف اور کمزوری کو ظاہر کرتا ہے۔ وہ سمجھتا تھا کہ اب وہ اپنے ضمیر کو مار چکا ہے۔ لیکن دراصل اس نے اپنے ضمیر کو قید کر دیا تھا، ختم نہیں کیا تھا۔ ضمیر ایک ایسا احساس ہے جو زندہ رہتا ہے۔ اگرچہ انسان اسے وقتی طور پر دبا دیتا ہے، مگر وقت آنے پر وہ پھر جاگ اٹھتا ہے۔

؎ ابھی ضمیر میں تھوڑی سی جان باقی ہے ابھی ہمارا کوئی امتحان باقی ہے

یہ عبارت ہمیں سوچنے پر مجبور کرتی ہے کہ زندگی میں سب سے بڑی بہادری یہ نہیں کہ ہم دوسروں پر قابو پائیں، بلکہ اصل بہادری یہ ہے کہ ہم اپنے نفس پر قابو پائیں، جو اپنے دل کی غلط خواہشات پر قابو پا لیتا ہے، وہی سچا بہادر ہے۔ اور جو اپنے ضمیر کی آواز کو سن لیتا ہے، وہی حقیقی کامیاب انسان ہے۔ دراصل بہادر خان کی سادہ سی کہانی انسان کی پوری زندگی کا عکس پیش کرتی ہے۔ ایک ایسی زندگی جس میں خواہشات، گناہ، ضمیر اور احساس کی کشمکش چلتی رہتی ہے اور آخر کار انسان تب سکون پاتا ہے جب وہ اپنے دل کی نیکی کی بات مان لیتا ہے۔

عبارت نمبر 11

ملا نے جب دیکھا کہ بہادر خان جا رہا ہے تو اس نے زور لگایا اور ایک جھٹکے سے کھاٹ سمیت کھٹ کھٹ، کھٹ کھٹ کرتا ہوا بہادر خان کے پیچھے چلا۔ بہادر خان نے دیکھا کہ مُلّا بہت تیزی سے اس کے تعاقب میں آ رہا ہے تو اس نے پیچ و تاب کھایا لیکن سخت جان مُلّا پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ بہادر خان ناچار ہو کر کھیت میں گیا جہاں پانی دینے کے لیے ایک بڑا آبی چرخہ نصب تھا، وہاں مُلّا کو کھاٹ سمیت کھڑا کر کے اس نے کہا: ''تم ذرا یہاں ٹھہرو میں کچھ خربوزے اور تربوز توڑ لاؤں، میں تمھیں بھی دوں گا اور کچھ میں بھی کھاؤں گا۔'' وہ چلا لیکن مُلّا بھی حرکت میں آ گیا۔

آخر بہادر خان نے مُلّا کو کھاٹ سمیت آبی چرخے سے مضبوط طریقے سے باندھ دیا اور خود لمبے لمبے ڈگ بھرتا تیزی سے پالیز (باغ) میں داخل ہو گیا۔

سیاق و سباق

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف بتاتے ہیں کہ بہادر خان ایک خوددار کسان تھا، جس کی زندگی ایک حادثے کے بعد بدل گئی۔ فصل جلنے پر گاؤں والوں نے اس کے نوکر کو بہادر خان سمجھ کر دفن کر دیا۔ گھر واپسی پر لوگ اسے بھوت سمجھ کر ڈر گئے۔ اسی دوران میں ایک جادوگر نے اسے مُلّا کی لاش کے سحر میں جکڑ دیا جو سائے کی طرح اس کے پیچھے پھرنے لگی۔ بہادر خان تمام تر کوششوں کے باوجود اس عذاب سے نجات نہ پا سکا اور اسی مصیبت میں مبتلا رہا۔

تشریح طلب عبارت کے بعد مصنف بتاتے ہیں کہ بہادر خان ایک آسیب نما مُلّا کی وجہ سے شدید ذہنی اذیت میں گرفتار تھا جو ہر وقت اس کے ساتھ رہتا تھا۔ اس کی موجودگی سے پورے علاقے میں خوف پھیل گیا اور لوگ اسے مردہ سمجھنے لگے۔ بالآخر تنگ آ کر اس نے جادوگر سے مُلّا کو دوبارہ قبر میں ڈلوایا۔ پھر اپنے رشتہ داروں کے ہمراہ گاؤں واپسی پر حقیقت واضح ہونے سے لوگوں کا خوف ختم ہو گیا۔

تشریح

انور رومان اپنے عہد کے ممتاز ماہرِ تعلیم، مؤرخ، محقق، شاعر، مترجم اور فکشن نگار تھے۔ انھوں نے مختلف علاقائی زبانوں کی کہانیوں کو قابلِ فہم اور دل نشیں انداز میں اردو میں منتقل کیا ہے۔ ''بہادر خان کی سرگزشت'' لوک داستان کا خوب صورت اردو ترجمہ ہے جس میں انسانی جذبات کی ترجمانی، زبان کی سادگی اور روانی اور قصے کی دل نشینی نمایاں ہے۔

مصنف کہتا ہے کہ بہادر خان کو شدید بھوک لگی ہوئی تھی، اس نے ارادہ کیا کہ قریب کے باغ یعنی پالیز میں جا کر خربوزے اور تربوز چرا لے تاکہ اپنی بھوک مٹا سکے۔ ابھی وہ اپنے ارادے پر عمل کرنے کے لیے نکلا ہی تھا کہ اچانک اس نے دیکھا کہ ملا بھی اس کے پیچھے آ رہا ہے۔ بہادر خان کے لیے یہ بات بہت پریشان کن تھی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ کوئی اسے چوری کرتے ہوئے دیکھے، کیوں کہ اگر ایسا ہوا تو گاؤں بھر میں اس کی عزت خاک میں مل جائے گی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ بھوک کی تکلیف تو برداشت کی جا سکتی ہے لیکن بدنامی کا داغ بڑی مشکل سے دھلتا ہے۔

؎ چھٹے گی کیسے مظفر سیاہی قسمت کی نکل تو آئے گا خورشید رات ڈھلنے سے (مظفر وارثی)

بہادر خان نے ملا کو دیکھ کر کہا: ''او ملا! خدا سے ڈر، میرا پیچھا چھوڑ دے۔'' لیکن ملا اپنی ضد پر قائم رہا اور بہادر خان کے پیچھے لگ گیا۔ مصنف نے ملا کے پیچھے آنے کی آواز کو ''کھٹ کھٹ کھٹ'' سے ظاہر کیا ہے جو کہانی کے منظر کو نہایت جان دار بنا دیتی ہے۔ پڑھنے والے کے ذہن میں ایک واضح منظر بنتا ہے کہ ایک آدمی چارپائی سمیت کسی کے پیچھے جا رہا ہے اور اس کی کھٹ کھٹ کی آواز سناٹے میں گونج رہی ہے۔ جب بہادر خان نے دیکھا کہ ملا بہت تیزی سے اس کے تعاقب میں آ رہا ہے تو وہ گھبرا گیا۔ اس نے سوچا کہ اگر یہ اسی طرح میرے پیچھے آیا تو میں اپنا مقصد حاصل نہیں کر پاؤں گا۔ وہ دل ہی دل میں ملا پر غصہ کرنے لگا

کہ یہ آدمی آخر کیوں میرا پیچھا کر رہا ہے۔ اس نے سوچا کہ شاید ملا کو میرے ارادے کا پتہ چل گیا ہے اور وہ مجھے پکڑوانا چاہتا ہے۔ یہ سوچ کر بہادر خان نے غصے میں آ کر ملا کو خوب مارا۔ لیکن حیرت کی بات یہ تھی کہ ملا پر مار پیٹ کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ نہ چیخا، نہ بھاگا اور نہ ہی پیچھے ہٹا۔ وہ کھڑا رہا جیسے کسی نے اسے زمین میں گاڑ دیا ہو۔

جب بہادر خان کو یقین ہو گیا کہ مارنے سے بھی بات نہیں بنے گی تو وہ مجبور ہو کر ایک کھیت کی طرف گیا۔ وہاں پانی کے لیے ایک بڑا آبی چرخہ لگا ہوا تھا۔ بہادر خان نے موقع دیکھا اور سوچا کہ کیوں نہ ملا کو کسی طرح یہیں روک دوں تا کہ میں سکون سے اپنے خربوزے اور تربوز چرا سکوں۔ اُس نے ملا سے کہا: ملا! تم یہاں ذرا ٹھہرو، میں ابھی کچھ خربوزے اور تربوز چرا لاتا ہوں۔ تم حرکت نہ کرنا، میں تمھیں بھی دوں گا اور خود بھی کھاؤں گا۔ بہادر خان نے ملا کو بہلانے کی کوشش کی تا کہ وہ وہیں رک جائے۔ اُس نے بہادر خان کی بات پر دھیان نہ دیا اور اس کے پیچھے چل پڑا۔ اب بہادر خان کا غصہ اور بھی بڑھ گیا۔ اس نے جوش میں آ کر دوبارہ ملا کو مارنا شروع کیا۔ لیکن ملا ڈھٹائی سے کھڑا رہا، اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ یہ واقعہ انسان کی ضد اور نا سمجھی کی بہترین مثال ہے۔

بعض اوقات انسان کو سمجھانے کی لاکھ کوشش کی جائے، لیکن اگر وہ اپنی ضد پر قائم رہے تو وہ کسی کی بھی بات نہیں مانتا۔ وہ مار کھا لیتا ہے، ذلیل ہو جاتا ہے مگر اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہیں آتا۔ یہی حالت ملا کی تھی۔ بہادر خان نے بھی ہار ماننے کی بجائے ایک اور ترکیب سوچی۔ بہادر خان نے ملا کو کھاٹ سمیت چرخے سے باندھ دیا تا کہ وہ ہل نہ سکے۔ اس نے بڑی مضبوطی سے اسے باندھا اور کہا کہ اب یہ کہیں نہیں جا سکتا۔ پھر وہ خود لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا پالیز کی طرف روانہ ہو گیا تا کہ جلدی سے خربوزے اور تربوز چرا سکے۔

مختصر یہ کہ اس پورے واقعے میں مزاح، سبق اور انسانی کمزوریوں کا حسین امتزاج نظر آتا ہے۔ بہادر خان اور ملا کی یہ کشمکش بظاہر ہنسی کا سبب ہے مگر حقیقت میں یہ انسانی زندگی کا آئینہ ہے۔ زندگی میں صبر، عقل، سچائی اور نرمی ہی اصل کامیابی کی کنجیاں ہیں، جب کہ ضد، نادانی اور چالاکی ہمیشہ نقصان کا باعث بنتی ہیں۔ یوں یہ عبارت نہ صرف ایک مزاحیہ واقعے کی عکاسی کرتی ہے بلکہ اس کے اندر زندگی کے اہم اصول بھی پوشیدہ ہیں جنھیں سمجھ کر انسان اپنی زندگی کو بہتر بنا سکتا ہے۔

عبارت نمبر 12

مُلّا نے بہادر خان کو جاتے دیکھ کر زور مارا اور ایک زبردست جھٹکا دے کر چرخے اور کھاٹ سمیت اس کے پیچھے روانہ ہوا۔ بہادر خان نے دیکھا تو اس نے کہا: ''خدارا! میرا پیچھا چھوڑ دے۔'' اس کے بعد بہادر خان آگے چلا۔ مُلّا بھی پیچھے پیچھے چلا۔ بہادر خان نے کہا: ''او بھائی! میں بھوکا ہوں، مجھے تنہا چھوڑ دے، میں کچھ خربوزے اور تربوز توڑ لاؤں اور ہم دونوں کھائیں گے، یہیں کھڑا رہ۔'' لیکن وہ آسیب کی طرح اس کے پیچھے رہا۔ بہادر خان جھاڑیوں میں چھپتا ہوا باغ میں پہنچا۔ مُلّا بھی پیچھے پیچھے آیا۔ بہادر خان نے جلدی جلدی کچھ خربوزے توڑے۔ پالیز دان (مالی) نے دیکھا کہ بہادر خان اور مُلّا خربوزے توڑ رہے ہیں تو وہ چیختا ہوا بھاگا اور لوگوں کو بتانے لگا کہ بہادر خان اور مُلّا ہر طرف دندناتے پھر رہے ہیں اور شہریوں اور غریبوں کا مال بزورِ ہتھیار لے رہے ہیں۔ لوگ اور بھی خوف زدہ ہو گئے۔

سیاق و سباق

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف بتاتے ہیں کہ ایک خوش حال کسان بہادر خان کی زندگی تب اجیرن ہو گئی جب گاؤں والوں نے اس کے نوکر کی موت کو اس کی اپنی موت سمجھ لیا۔ واپسی پر سب اسے بھوت سمجھ کر ڈر گئے۔ مزید برآں، ایک جادوگر کے سحر سے مردہ ملا اس کے پیچھے لگ گیا۔ اپنی اس عجیب و غریب مشکل سے نجات پانے کے لیے، بہادر خان نے تنگ آ کر ملا کو ایک آبی چرخی سے باندھ دیا تا کہ وہ سکون سے اپنی بھوک مٹا سکے۔

تشریح طلب عبارت کے بعد مصنف بتاتے ہیں کہ بہادر خان کو ایک غلط فہمی نے زندہ لاش بنا دیا تھا، جس سے لوگ خوف زدہ ہو کر بھاگنے لگے۔ اس کے ساتھ چمٹا ہوا مُلّا آسیب بن گیا، جس کی دہشت سے لوگ مرنے لگے۔ شدید کرب میں مبتلا ہو

کر اس نے جادوگر سے مُلّا کو واپس قبر میں ڈلوایا۔ آخر کار رشتہ داروں کی مدد سے حقیقت کھلنے پر گاؤں والوں نے اسے پہچان لیا اور اس کی واپسی پر خوشی کا اظہار کیا۔

تشریح

انور رومان اپنے عہد کے ممتاز ماہرِ تعلیم، مؤرخ، محقق، شاعر، مترجم اور فکشن نگار تھے۔ انھوں نے مختلف علاقائی زبانوں کی کہانیوں کو قابلِ فہم اور دل نشیں انداز میں اردو میں منتقل کیا ہے۔ ''بہادر خان کی سرگزشت'' لوک داستان کا خوب صورت اردو ترجمہ ہے جس میں انسانی جذبات کی ترجمانی، زبان کی سادگی اور روانی اور قصے کی دل نشینی نمایاں ہے۔

مصنف بتاتے ہیں کہ بہادر خان بہت بھوکا تھا۔ کیوں کہ اس وقت اس کے پاس کھانے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ بھوک جب حد سے بڑھ جائے تو انسان کا دماغ ٹھیک طرح سے کام نہیں کرتا اور وہ اکثر ایسے فیصلے کرتا ہے جو بعد میں نقصان کا باعث بنتے ہیں۔ یہی حال بہادر خان کا تھا۔ وہ بھوک سے پریشان ہو کر سوچتا ہے کہ قریب ہی ایک پالیز یعنی باغ ہے، وہاں سے خربوزے اور تربوز چرا لاتا ہوں تا کہ اپنی بھوک مٹا سکوں۔ جب وہ پالیز کی طرف روانہ ہوتا ہے تو اچانک اسے سامنے سے ملا آتا دکھائی دیتا ہے۔ بہادر خان اسے دیکھ کر گھبرا جاتا ہے۔ بہادر خان ملا کو دیکھ کر کہتا ہے: ''او ملا! خدا سے ڈر اور میرا پیچھا چھوڑ دے۔''

لیکن ملا نے بہادر خان کو جاتے دیکھ کر زور مارا اور ایک زبردست جھٹکا دے کر چرخے اور کھاٹ سمیت اس کے پیچھے روانہ ہوا۔ ایک طرف بہادر خان غصے اور جلدی میں ہے اور دوسری طرف ملا اپنی کھاٹ اور چرخہ گھسیٹتا ہوا پیچھے چل رہا ہے۔

جب بہادر خان اسے پیچھے آتا دیکھتا ہے تو اور زیادہ غصے میں آجاتا ہے۔ وہ اسے کہتا ہے: تیرا خانہ خراب، میرا پیچھا چھوڑ دے، خدا سے ڈر۔ یہ بھی عجیب بات ہے کہ کیوں کہ بہادر خان خود غلط کام کرنے جا رہا ہے مگر ملا کو خدا سے ڈرنے کا کہہ رہا ہے۔ مگر ملا باز نہیں آتا۔ وہ اپنی ضد میں بہادر خان کے پیچھے لگا رہتا ہے۔ بہادر خان تنگ آ کر اسے مارتا ہے اور آگے چل پڑتا ہے۔ مگر ملا پھر بھی پیچھے پیچھے چلا آتا ہے۔ ایک طرف بہادر خان بھوک کے مارے غلط کام کی طرف بڑھ رہا ہے، دوسری طرف ملا اپنی نادانی اور ضد سے اس کے پیچھے لگا ہوا ہے۔ دونوں اپنی اپنی جگہ غلط ہیں لیکن دونوں کو اپنی غلطی کا احساس نہیں۔ بہادر خان کہتا ہے: بد بخت! میں بھوکا ہوں، مجھے ذرا تنہا چھوڑ دے۔ میں کچھ خربوزے اور تربوز چرا لاؤں، ہم دونوں کھائیں گے۔ یہیں کھڑا رہ۔ مگر ملا پھر بھی نہیں رکتا۔ وہ اس کے پیچھے آسیب کی طرح لگا رہتا ہے۔ یہاں لفظ ''آسیب'' کا استعمال بڑا معنی خیز ہے۔ جیسے کوئی جن یا سایہ کسی کے ساتھ چپک جائے، ویسے ہی ملا بہادر خان کے ساتھ چپکا ہوا ہے۔ بہادر خان بار بار اسے مارتا ہے، مگر وہ باز نہیں آتا۔ آخر کار بہادر خان جھاڑیوں میں چھپ کر پالیز میں پہنچ جاتا ہے تا کہ خربوزے چرا سکے۔

وہ جلدی جلدی خربوزے توڑنے لگتا ہے کیوں کہ اسے ڈر ہوتا ہے کہ کہیں مالی دیکھ نہ لے۔ لیکن قسمت کا کھیل دیکھیے، مالی اسے دیکھ لیتا ہے۔ وہ ایک سادہ دل شخص ہے جو اپنی محنت سے باغ سنبھال رہا ہوتا ہے۔ جب وہ دیکھتا ہے کہ دو آدمی، ایک بہادر خان اور دوسرا ملا، باغ میں داخل ہو کر خربوزے توڑ رہے ہیں اور ان کی حرکات سے عجیب شور پیدا ہو رہا ہے تو وہ خوف زدہ ہو جاتا ہے۔ مالی چیختا چلاتا دوڑتا ہے اور لوگوں کو بتاتا ہے کہ بہادر خان اور ملا باغ میں خربوزے چرا رہے ہیں، وہ کہتا ہے کہ یہ دونوں شہر میں دندناتے پھر رہے ہیں، لوگوں کا مال زبردستی لوٹ رہے ہیں۔

امام غزالیؒ کا فرمان ہے:

''انسان کا سب سے بڑا دشمن اس کا وہم اور خوف ہے جو حقیقت سے پہلے ہی انسان کو مار دیتا ہے۔''

مالی کے چیخنے چلانے سے شہر کے لوگ گھبرا جاتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ بہادر خان اور ملا واقعی بہت خطرناک ہو گئے ہیں۔ ہر طرف خوف پھیل جاتا ہے۔ لوگ ایک دوسرے سے کہنے لگتے ہیں کہ یہ دونوں چور ہیں، لوگوں کا مال چھین رہے ہیں۔ حالاں کہ حقیقت میں وہ صرف چند خربوزے چرا رہے تھے۔ مگر مالی کی غلط فہمی، بہادر خان کی بے صبری اور ملا کی ضد، تینوں نے مل کر

ایک چھوٹے سے واقعے کو بڑے فساد میں بدل دیا۔ یہ کہانی دراصل انسان کے رویوں کی بہت عمدہ عکاسی کرتی ہے۔ بہادر خان انسان کی اس کمزوری کی علامت ہے جو بھوک یا خواہش کے وقت عقل کو بھلا دیتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ چوری کرنا غلط ہے، مگر وقتی ضرورت اور خواہش کے آگے ہار جاتا ہے۔ دوسری طرف ملا ایسے لوگوں کی نمائندگی کرتا ہے جو بغیر سوچے سمجھے دوسروں کے معاملات میں دخل دیتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ نیکی کر رہے ہیں مگر ان کی ضد اور نادانی نقصان کا باعث بن جاتی ہے۔ مالی ان لوگوں کی علامت ہے جو بغیر تحقیق کے بات کو آگے پھیلا دیتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

''آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات کو آگے بیان کر دے۔'' (صحیح مسلم)

مختصر یہ کہ زندگی میں کوئی بھی کام کرنے سے پہلے سوچنا، موقع محل کو سمجھنا، اور اپنے ضمیر کی بات سننا نہایت ضروری ہے۔ کیوں کہ ایک لمحے کی غلطی یا ایک غلط فہمی ساری عزت، سکون اور اعتماد کو برباد کر سکتی ہے۔ بہادر خان اور ملا کی کہانی اسی حقیقت کا ایک خوب صورت مگر سبق آموز اظہار ہے۔

اس عبارت میں زبان کی سادگی، واقعات کی ترتیب اور کرداروں کی حرکتیں سب مل کر ایک دل چسپ اور معنی خیز تاثر پیدا کرتی ہیں۔ مصنف نے روزمرہ زندگی کے ایک معمولی واقعے کو ایسے خوب صورت انداز میں پیش کیا ہے کہ وہ پڑھنے والے کے ذہن پر دیر پا اثر چھوڑتا ہے۔

عبارت نمبر 13

ایک دن بہادر خان نے دور سے دیکھا کہ ایک آدمی بیل پر بیٹھا ہوا روٹی کھاتا آ رہا ہے۔ چناں چہ وہ اس کی طرف چلا اور اس سے کہا: ''بندۂ خدا! مجھے روٹی دو میں بھوکا ہوں۔'' بیل سوار نے بہادر خان اور مُلّا کو دیکھا تو وہ وحشت زدہ ہو کر بیل سے گرا اور تڑپ تڑپ کر مر گیا۔ بہادر خان نے روٹی لے لی اور دونوں اسے کھاتے ہوئے واپس قبرستان آ گئے۔

کچھ دن بعد گاؤں کے رئیس کی پوشاک مَیلی ہوئی تو اس نے اپنے دھوبی سے کہا: ''میرے کپڑے ندی پر لے جاؤ اور صاف کر لاؤ۔'' دھوبی نے کہا: ''حضور! بہادر خان مع مُلّا زندہ ہو گیا ہے اور دونوں چرخے اور کھاٹ سمیت اِدھر اُدھر دندناتے پھرتے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں مجھے ندی پر دیکھ لیں اور پکڑ کر مار نہ دیں، اس لیے میں نہیں جاؤں گا۔ رئیس نے کہا: میں تمھاری حفاظت کے لیے تین مسلح سوار بھیج دیتا ہوں۔ اس پر دھوبی رضامند ہو گیا۔

سیاق و سباق

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف بتاتے ہیں بہادر خان نوکر کی موت اور غلط فہمی کے سبب گاؤں والوں کی نظر میں مردہ قرار پایا۔ زندہ واپسی پر لوگ اسے بھوت سمجھ کر ڈر گئے۔ بھوک مٹانے کی جدوجہد میں اس کا سامنا ایک جادوگر سے ہوا، جس کے طلسم نے ایک مردہ مُلّا کو اس کا مستقل ساتھی بنا دیا۔ اس عجیب صورتِ حال نے پورے گاؤں میں ایسی دہشت پھیلائی کہ لوگ انھیں آسیب سمجھ کر بھاگ اٹھے۔

تشریح طلب عبارت کے بعد مصنف بتاتے ہیں کہ بہادر خان ایک مُلّا کے پیچھا نہ چھوڑنے کی وجہ سے نہایت عاجز تھا۔ مُلّا کے سائے کے سبب لوگ اسے مردہ سمجھتے تھے، جس سے اس کی زندگی اجیرن بن گئی۔ ایک ہنگامی واقعے کے بعد، بہادر خان نے جادوگر کو مجبور کیا کہ وہ مُلّا کو واپس قبر میں ڈال دے۔ بالآخر، رشتہ داروں کی مدد سے گاؤں والوں پر حقیقت آشکار کر کے اس نے اپنی آزادی دوبارہ حاصل کی۔

تشریح

انور رومان اپنے عہد کے ممتاز ماہرِ تعلیم، مؤرخ، محقق، شاعر، مترجم اور فکشن نگار تھے۔ انھوں نے مختلف علاقائی زبانوں کی کہانیوں کو قابلِ فہم اور دل نشیں انداز میں اردو میں منتقل کیا ہے۔ ''بہادر خان کی سرگزشت'' لوک داستان کا خوب صورت اردو

ترجمہ ہے جس میں انسانی جذبات کی ترجمانی، زبان کی سادگی اور روانی اور قصے کی دل نشینی نمایاں ہے۔

تشریح طلب عبارت میں مصنف بتاتے ہیں کہ ایک دن بہادر خان نے دور سے دیکھا کہ ایک شخص بیل پر بیٹھا آ رہا ہے اور ساتھ ساتھ روٹی کھا رہا ہے۔ بہادر خان کئی دنوں سے بھوکا تھا، اس کے جسم میں کمزوری تھی اور ذہن میں صرف ایک ہی خیال گردش کر رہا تھا کہ کسی طرح پیٹ کی آگ بجھ جائے۔ بھوک نے اس کے حواس پر قبضہ کر رکھا تھا۔ ایسے میں جب اس نے ایک آدمی کو روٹی کھاتے دیکھا تو اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ شاید وہ اس سے کچھ کھانے کو مانگ لے۔ اس نے اس آدمی کے پاس جا کر نرمی سے کہا کہ اے بندۂ خدا، مجھے روٹی دے دو، میں بھوکا ہوں۔

دوسری طرف بیل پر بیٹھا ہوا آدمی جب بہادر خان اور ملا کو دیکھتا ہے تو وہ خوف سے کانپ جاتا ہے۔ اس کے ذہن میں فوراً یہ خیال آتا ہے کہ یہ دونوں تو مر چکے ہیں، ان کی قبریں قبرستان میں ہیں، یہ کیسے زندہ ہو سکتے ہیں؟ اس کے دل میں وہم اور ڈر اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ وہ بیل سے گر جاتا ہے اور وہیں تڑپ کر مر جاتا ہے۔ یہ منظر انسانی ذہن کے خوف اور وہم کی طاقت کو ظاہر کرتا ہے۔ جب انسان کسی چیز کی حقیقت جانے بغیر اس سے ڈرنے لگتا ہے تو وہ اپنی عقل کو کھو دیتا ہے۔ بیل سوار نے بھی یہی کیا۔ اس نے حقیقت پر غور نہیں کیا، صرف خوف کے زیر اثر آ گیا۔ بہادر خان نے جب اسے گرتے دیکھا تو نہ اسے اس کی موت پر افسوس ہوا اور نہ ہی اس کے دل میں کوئی رحم کا جذبہ پیدا ہوا۔ وہ اس کے پاس گیا اور اس کے ہاتھ سے روٹی لی اور اپنے ساتھی ملا کے ساتھ بیٹھ کر کھانے لگا۔ وہ دونوں اطمینان سے کھانا کھاتے ہوئے واپس قبرستان چلے گئے۔

بہادر خان اور ملا کی زندگی قبرستان میں گزرتی ہے۔ ان کے پاس نہ رہنے کے لیے گھر ہے، نہ کھانے کو کچھ۔ معاشرہ ان سے دور ہے اور وہ معاشرے سے دور۔ ان کی زندگی میں مقصد، عزت یا سکون کا کوئی وجود نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ایسے کام کرتے ہیں جنھیں عام حالات میں انسان برا سمجھتا ہے۔ مگر ان کے حالات اتنے دشوار اور کٹھن ہیں کہ ان کے لیے بھوک مٹانا سب سے بڑی ضرورت بن چکی ہے۔ کچھ دن گزرنے کے بعد گاؤں کے رئیس کے کپڑے گندے ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنے دھوبی کو حکم دیتا ہے کہ وہ کپڑے ندی پر لے جا کر دھو لائے۔ لیکن دھوبی فوراً انکار کر دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ حضور، میں ندی پر نہیں جاؤں گا۔ سنا ہے کہ بہادر خان اور ملا زندہ ہو گئے ہیں، وہ قبرستان کے آس پاس پھرتے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ مجھے پکڑ نہ لیں۔ ایک بزرگ کا فرمان ہے:

''مصیبت کے وقت گھبرا جانا خود ایک بہت بڑی مصیبت ہے۔''

یہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ سنی سنائی باتوں پر یقین کر لیتا ہے۔ اگر کسی چیز کے بارے میں بار بار سنا جائے تو انسان اسے حقیقت سمجھنے لگتا ہے۔ یہی اس گاؤں میں ہوا۔ لوگوں نے کسی سے سنا کہ بہادر خان قبرستان میں دندناتا پھرتا ہے، کسی نے کہا کہ وہ زندہ ہو گیا ہے، کسی نے کہا کہ وہ بھوت بن گیا ہے۔ یوں وہم نے سب کے دلوں میں جگہ بنالی۔ رئیس جب دھوبی کی بات سنتا ہے تو وہ اسے سنجیدگی سے لیتا ہے۔ وہ دھوبی کے ڈر کا مذاق نہیں اڑاتا بلکہ اسے یقین دلاتا ہے کہ وہ اس کے ساتھ تین سوار بھیجے گا تاکہ اسے کوئی خطرہ نہ ہو۔ دھوبی اس پر مطمئن ہو جاتا ہے اور جانے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔

مختصر یہ کہ انسان کو اپنی عقل اور ہمت کے ساتھ جینا چاہیے۔ وہم، خوف، بھوک یا جہالت کے زیر اثر فیصلے ہمیشہ نقصان دہ ہوتے ہیں۔ زندگی کا اصل حسن یہ ہے کہ انسان مشکلات کے باوجود حقیقت کو پہچانے، حالات کا مقابلہ کرے اور اپنی انسانیت برقرار رکھے۔

عبارت نمبر 14

اس نے کپڑے لیے اور سواروں کی معیت میں اپنے گدھے پر بیٹھ کر ندی پر آیا۔ سواروں نے اپنے گھوڑے رسیوں سے مضبوط باندھ دیے اور دھوبی کی پہرے داری کرتے رہے۔ دریں اثنا، بہادر خان کو پیاس لگی اور وہ ندی کی طرف چلا۔

اس کے پیچھے مُلّا بھی آنے لگا۔ بہادر خان نے کہا: ''اے مُلّا! کیوں ظلم کرتے ہو، خدا سے ڈرو اور یہیں ٹھہرو تاکہ میں

پانی پی آؤں، میں ابھی تمھارے پاس لوٹ آؤں گا۔ لیکن ملا تو بے دھڑک تھا، اس کے قدم کہاں رُکتے تھے۔ بہادر خان ندی پر آیا اور جھک کر پانی پینے لگا۔ مُلّا بھی وہیں آدھمکا۔ دھوبی کی نگاہ جو اس پر پڑی تو وہ چلّایا: ''سپاہیو! بہادر خان مع مُلّا آ گیا ہے۔'' سپاہیوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ وہ بے لگام گھوڑوں پر چڑھے۔ دھوبی نے کپڑے وہیں چھوڑ دیے اور گدھے پر بیٹھ کر لٹھ مار مار کر اسے گاؤں کی طرف ہانکنے لگا تا کہ جلد از جلد گاؤں والوں کو خبردار کرے۔

سیاق و سباق

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف بتاتے ہیں کہ ایک حادثے میں نوکر کی موت کو لوگوں نے بہادر خان کی موت سمجھ لیا۔ زندہ واپسی پر گاؤں والے اسے بھوت سمجھ کر ڈرنے لگے۔ ایک جادوگر کے سحر سے مردہ ملا اس کے پیچھے لگ گیا، جس سے خوف زدہ ہو کر لوگ مر جاتے یا بھاگ جاتے۔ یوں وہ اپنی ہی بستی میں اجنبی بن کر رہ گیا۔ اس عجیب و غریب صورتِ حال نے اس کی زندگی کو شدید تنہائی اور مشکلات سے دوچار کر دیا۔

تشریح طلب عبارت کے بعد مصنف بتاتے ہیں کہ بہادر خان ایک ایسی مصیبت میں پھنس گیا تھا جہاں قبیلے والے اسے مردہ سمجھ کر اجنبی بن چکے تھے اور ایک مُلّا آسیب بن کر اس کے ساتھ چمٹ گیا تھا۔ اس اذیت سے نجات کے لیے اس نے جادوگر کو مجبور کر کے مُلّا کو قبر میں واپس ڈال دیا۔ بالآخر، رشتہ داروں کی گواہی سے گاؤں والوں کی غلط فہمی دور ہوئی اور سب خوش ہو گئے۔

تشریح

انور رومان اپنے عہد کے ممتاز ماہرِ تعلیم، مؤرخ، محقق، شاعر، مترجم اور فکشن نگار تھے۔ انھوں نے مختلف علاقائی زبانوں کی کہانیوں کو قابلِ فہم اور دل نشیں انداز میں اردو میں منتقل کیا ہے۔ ''بہادر خان کی سرگزشت'' لوک داستان کا خوب صورت اردو ترجمہ ہے جس میں انسانی جذبات کی ترجمانی، زبان کی سادگی اور روانی اور قصے کی دل نشینی نمایاں ہے۔

تشریح طلب عبارت میں مصنف بتاتے ہیں کہ دھوبی کو کچھ کپڑے دیے گئے تا کہ وہ سواروں کے ساتھ ندی پر جا کر دھوئے۔ سپاہیوں نے اسے نگرانی میں رکھا تا کہ بہادر خان اسے نقصان نہ پہنچا سکے۔ وہ اپنے گدھے پر سوار ہو کر سپاہیوں کے ساتھ ندی کی طرف روانہ ہوا۔ سپاہیوں نے احتیاط کے طور پر اپنے گھوڑے مضبوطی سے باندھ دیے تا کہ کسی قسم کی بھگدڑ یا حادثہ پیش نہ آئے۔ وہ بہادر خان کی ہر حرکت پر نظر رکھے ہوئے تھے کیوں کہ انھیں اس کی چالاک طبیعت کا اندازہ تھا۔ اس دوران میں بہادر خان کو پیاس لگی تو اس نے ارادہ کیا کہ وہ پانی پینے کے لیے ندی کی طرف روانہ ہو۔ موسم گرم تھا اور وہ تھکن محسوس کر رہا تھا۔ اسے پیاس لگی ہوئی تھی اور اس نے سوچا کہ ذرا پانی پی لیا جائے۔ وہ ندی کی طرف بڑھنے لگا تا کہ پیاس بجھا سکے۔ ملا بھی ہر وقت بہادر خان کے پیچھے لگا رہتا۔ جیسے ہی بہادر خان ندی کی طرف چلنے لگا، ملا بھی پیچھے چل پڑا۔ بہادر خان کو یہ حرکت بہت ناگوار گزری۔ اس نے غصے میں کہا:

''اے ملا! تم کیوں ظلم کرتے ہو؟ خدا سے ڈرو اور یہیں ٹھہرو تا کہ میں پانی پی آؤں، میں ابھی واپس آ جاؤں گا۔''

وہ ملا کو سمجھا رہا تھا کہ وہ اس پر بھروسا کرے۔ لیکن ملا کی طبیعت ہی ایسی تھی کہ اسے اس پر اعتبار نہیں تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ اگر وہ ذرا سا بھی پیچھے ہٹا تو بہادر خان اسے دھوکا دے کر بھاگ جائے گا۔ بہادر خان نے جب دیکھا کہ ملا اس کے پیچھے لگا ہی رہے گا، تو وہ تنگ آ گیا۔ اس نے سزا کے طور پر اس کے بال کاٹ دیے۔

بال کاٹنے کے بعد بہادر خان نے سکھ کا سانس لیا اور ندی کے کنارے جا کر جھک کر پانی پینے لگا۔ اس کا خیال تھا کہ اب وہ سکون سے پانی پی لے گا، مگر ملا کی ضد پھر بھی کم نہ ہوئی۔ وہ اب بھی بہادر خان کے پیچھے لگا رہا۔ وہ دوبارہ اس کے قریب پہنچ گیا۔ دھوبی، جو کپڑے دھونے میں مصروف تھا، اس منظر کو دیکھ کر خوف زدہ ہو گیا۔ جیسے ہی اس کی نظر بہادر خان اور ملا پر پڑی، وہ فوراً چیخ اٹھا: سپاہیو! بہادر خان اور ملا آ گئے ہیں۔

یہ آواز سنتے ہی سپاہیوں میں ایک دم بھگدڑ مچ گئی۔ ہر سپاہی اپنی جان بچانے کے چکر میں لگ گیا۔ ان کے گھوڑوں کے پاؤں رسیوں سے بندھے ہوئے تھے، مگر وہ جلدی میں ان پر سوار ہونے لگے۔ گھوڑے بے قابو ہو گئے، کچھ لڑکھڑائے، کچھ دوڑے۔ ایک شور سا مچ گیا۔ دھوبی بھی گھبرا گیا۔ اس نے اپنے کپڑے وہیں چھوڑ دیے اور اپنے گدھے پر بیٹھ کر گاؤں کی طرف دوڑ پڑا۔ وہ گدھے کو لٹھ سے مارتا جاتا تھا کہ وہ تیزی سے دوڑے۔ دھوبی کا مقصد یہ تھا کہ گاؤں جا کر سب کو خبر کرے کہ بہادر خان واپس آ گیا ہے۔ اس کے خیال میں یہ کوئی بڑا خطرہ تھا، اس لیے وہ جلدی سے گاؤں والوں کو خبردار کرنا چاہتا تھا۔ ایک دانا کا قول ہے:

''جو شخص اپنی زبان کو قابو میں نہیں رکھ سکتا وہ اپنی زندگی کو بھی قابو میں نہیں رکھ سکتا۔''

مختصر یہ کہ ہر عمل کا ایک ردِ عمل ہوتا ہے۔ بہادر خان کے عمل نے پورے ماحول کو متاثر کیا، ملا کے رویے نے خود اس کی عزت کو نقصان پہنچایا اور دھوبی کی بھاگ دوڑ نے افراتفری پھیلائی۔ انسان اگر اپنے ہر عمل سے پہلے اس کے ممکنہ نتائج پر غور کرے، تو وہ بہت سی مشکلات سے بچ سکتا ہے۔ یوں یہ کہانی محض ایک تفریحی قصہ نہیں، بلکہ زندگی کے حقائق پر مبنی ایک مکمل سبق ہے جو ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ دانائی، صبر اور تحمل ہی حقیقی بہادری کی علامت ہیں۔

عبارت نمبر 15

سواروں نے گھوڑوں کو یکے بعد دیگرے چابک مارے۔ انھوں نے گھوڑوں کی گردن کے رسے تو کھول دیے تھے لیکن گھبراہٹ میں ایڑیوں کے رسے کھولنا بھول گئے تھے۔ اس وجہ سے گھوڑے ان رسوں اور میخوں کی وجہ سے دوڑتے دوڑتے گر گئے۔ سپاہی انھیں مار رہے تھے اور اس بھاگڑ میں میخیں اکھڑ اکھڑ کر ان کے سروں پر لگ رہی تھیں، حتیٰ کہ ان کے سر، چہرے اور کان لہولہان ہو گئے۔ اسی طرح ہوتے ہوتے ان میں سے دو مر گئے اور صرف ایک زندہ واپس آیا۔ اس نے رئیس کو اپنی کہانی سنائی اور اپنے زخم دکھائے۔ دھوبی نے توبہ کی کہ وہ پھر کبھی باہر نہ جائے گا۔

بہادر خان نے یہ سب کچھ دیکھا تو وہ سوچنے لگا: ''یا خدایا! میں کیا کروں، ندی میں ڈوب مروں یا پتھروں سے اپنا سر پھوڑ لوں؟ میں اپنے عزیز و اقارب کے لیے بیگانہ ہو گیا ہوں۔ میرے اپنے تُمن (قبیلے) کے لوگ مجھ سے گریزاں ہیں اور یہ مُلّا ایک آسیب کی طرح مجھ سے چمٹا ہوا ہے۔''

سیاق و سباق

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف بتاتے ہیں کہ خوش حال کسان بہادر خان سانحے میں نوکر کی ہلاکت کے بعد زندہ واپس آیا تو گاؤں والوں نے اسے بھوت سمجھ لیا۔ حالات تب بگڑ گئے جب جادوگر کے عمل سے مُلّا کی لاش اس کے ساتھ چپک گئی۔ لوگ اسے آسیب سمجھ کر ڈرنے لگے۔ یوں وہ سماجی زندگی کھو کر تنہائی، بھوک اور مسلسل بدنامی کی تلخ زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو گیا۔

تشریح طلب عبارت کے بعد مصنف بتاتے ہیں کہ شادی سے واپسی پر بہادر خان قبرستان میں جادوگر کے سحر میں پھنس کر شدید کرب سے گزرا۔ آدھی رات کو اس نے ہمت کر کے جادوگر کو دبوچ لیا اور مُلا کو واپس قبر میں ڈالنے پر مجبور کر دیا۔ رہائی کے بعد وہ رشتے داروں کو لے کر گاؤں پہنچا۔ سچائی سامنے آنے پر گاؤں والوں کی غلط فہمی دور ہوئی اور بہادر خان کی بحفاظت واپسی پر سب بے حد خوش ہوئے۔

تشریح

انور رومان اپنے عہد کے ممتاز ماہرِ تعلیم، مؤرخ، محقق، شاعر، مترجم اور فکشن نگار تھے۔ انھوں نے مختلف علاقائی زبانوں کی کہانیوں کو قابلِ فہم اور دل نشیں انداز میں اردو میں منتقل کیا ہے۔ ''بہادر خان کی سرگزشت'' لوک داستان کا خوب صورت اردو ترجمہ ہے جس میں انسانی جذبات کی ترجمانی، زبان کی سادگی اور روانی اور قصے کی دل نشینی نمایاں ہے۔

مصنف بتاتے ہیں ایک دھوبی جو رئیس کے کپڑے دھونے کے لیے ندی کی طرف جاتا ہے۔ رئیس کے لوگ خوف زدہ

ہیں، کیوں کہ بہادر خان علاقے میں دہشت کی علامت بن چکا ہے۔ اسی لیے رئیس اپنے سواروں کو بھی دھوبی کے ساتھ بھیج دیتا ہے تا کہ وہ اس کی حفاظت کر سکیں۔ دھوبی سادہ، بے ضرر اور دیہاتی مزاج کا انسان ہے۔ وہ گدھے پر کپڑے لادے ندی کی طرف روانہ ہوتا ہے۔ سوار بھی اس کے ساتھ چلتے ہیں۔ جب وہ ندی پر پہنچتے ہیں تو سوار اپنے گھوڑوں کو رسیوں سے مضبوطی سے باندھ دیتے ہیں تا کہ وہ کہیں بھاگ نہ جائیں۔ اس کے بعد وہ دھوبی کی نگرانی کرتے ہیں اور دھوبی اطمینان سے کپڑے دھونے لگتا ہے۔

دوسری طرف بہادر خان ندی کے قریب ہی موجود ہے۔ اسے پیاس محسوس ہوتی ہے، چناں چہ وہ پانی پینے کے لیے ندی کی طرف جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ملا بھی ہے جو ہر جگہ اس کے پیچھے لگا رہتا ہے۔ بہادر خان اسے روکنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے: ''اے ملا! کیوں ظلم کرتے ہو؟ خدا سے ڈرو، یہیں ٹھہر جاؤ تا کہ میں پانی پی آؤں، میں ابھی تمھارے پاس واپس آ جاؤں گا۔ مگر ملا باز نہیں آتا۔ وہ ایک ضدی اور بے وقوف انسان کی طرح بہادر خان کے پیچھے چلتا رہتا ہے۔

بہادر خان، جو پہلے ہی پریشان حال ہے، ملا کی ضد سے تنگ آ جاتا ہے۔ آخر کار وہ استرا نکالتا ہے اور ملا کا سر صاف کر دیتا ہے۔ اس کے بعد وہ ندی پر آتا ہے اور جھک کر پانی پینے لگتا ہے۔ لیکن ملا باز نہیں آتا اور پھر وہیں آن پہنچتا ہے۔ ندی کے کنارے دھوبی بیٹھا ہے جو کپڑے دھو رہا ہے۔ جب وہ دیکھتا ہے کہ بہادر خان اور ملا دونوں ندی کے قریب آ گئے ہیں تو وہ خوف سے کانپ اٹھتا ہے۔ دھوبی فوراً چلا اٹھتا ہے: ''سپاہیو! بہادر خان مع ملا آ گیا ہے۔'' یہ سن کر سواروں میں ہلچل مچ جاتی ہے اور وہ بہت زیادہ خوف زدہ ہو جاتے ہیں۔ بقول ابراہام لنکن:

''ہم اکثر ان چیزوں سے زیادہ ڈرتے ہیں جو حقیقت میں اتنی خطرناک نہیں ہوتیں جتنا ہمارا تصور انھیں بنا دیتا ہے۔''

تشریح طلب عبارت میں مصنف بتاتے ہیں کہ سوار فوراً اپنے گھوڑوں کی طرف بھاگتے ہیں تا کہ وہاں سے فرار ہو سکیں۔ لیکن گھبراہٹ میں وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ انھوں نے گھوڑوں کی گردنوں کے رسے تو کھول دیے، مگر ایڑیوں کے نہیں کھولے۔ نتیجتاً جب وہ گھوڑوں کو چابک مارتے اور ایڑ لگاتے ہیں تو وہ میخوں کی وجہ سے گرنے لگتے ہیں۔ یہ واقعہ ان کے خوف اور بدحواسی کی انتہا کو ظاہر کرتا ہے۔ دراصل جب انسان پر خوف طاری ہوتا ہے تو وہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کھو بیٹھتا ہے۔ سپاہی بھی اسی کیفیت میں مبتلا ہو گئے۔ انھوں نے گھوڑوں کو مارا، مگر گھوڑے رسیوں میں الجھ کر گر گئے۔ بھاگم بھاگ میں میخیں اکھڑ کر ان کے چہروں پر لگنے لگیں۔ ان کے چہرے، کان اور سر زخمی ہو گئے۔

آخر کار ان میں سے دو سپاہی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے، جب کہ صرف ایک زندہ بچا۔ وہ بمشکل رئیس کے پاس واپس پہنچا۔ اس کے جسم پر زخموں کے نشان تھے، چہرہ لہولہان تھا۔ اس نے رئیس کو پورا واقعہ سنایا کہ کس طرح بہادر خان کی وجہ سے سب کچھ تباہ ہو گیا۔ رئیس حیران رہ گیا۔ اس سانحے کے بعد دھوبی نے قسم کھائی کہ وہ اب کبھی ندی پر کپڑے دھونے کے لیے نہیں جائے گا۔ خوف نے اس کی زندگی کو گھر کی چار دیواری تک محدود کر دیا۔ دوسری طرف بہادر خان یہ سب منظر دیکھ رہا تھا۔ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اس کے نام کی دہشت نے کتنی بربادی مچا دی تھی۔ اس کے دل پر افسوس اور ندامت کے بادل چھا گئے۔ وہ خود سے باتیں کرنے لگا کہ میں کیا کروں؟ ندی میں ڈوب مروں یا پتھروں سے اپنا سر پھوڑوں؟'' اس کے یہ الفاظ اس کے دل کی گہرائیوں سے نکلے۔ وہ اپنی زندگی سے بیزار ہو چکا تھا۔ بہادر خان کہتا ہے کہ میرے اپنے رشتہ دار اور قبیلے کے لوگ مجھ سے دور ہو گئے ہیں۔ اب میں ان کے لیے اجنبی بن چکا ہوں۔ میں اپنے ہی لوگوں کے لیے بے گانہ ہو گیا ہوں۔ اور یہ ملا کم بخت آسیب کی طرح مجھ سے چمٹا ہوا ہے۔ اس جملے سے بہادر خان کے اندر کی ٹوٹ پھوٹ ظاہر ہوتی ہے۔ وہ ذہنی اور جذباتی طور پر شدید تنہائی کا شکار ہے۔

دراصل جب انسان اپنے اعمال یا رویے سے دوسروں کے لیے خوف اور نقصان کا باعث بنتا ہے، تو وہ خود بھی اسی خوف اور تنہائی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ بہادر خان جو طاقت ور اور خوف ناک سمجھا جا رہا تھا، اب وہ اندر سے ٹوٹ چکا تھا۔ اس کے اپنے اس سے منھ موڑ چکے تھے۔ اس کے دل میں احساسِ تنہائی، مایوسی اور بے زاری تھی۔ وہ اپنی زندگی سے بے زار ہو چکا تھا۔

میری آنکھ کا تارا ہے آنسو میری قسمت کا — قسمت کو میں روتا ہوں قسمت مجھ کو روتی ہے (ریاض خیرآبادی)

مختصر یہ کہ غلط فہمی، جلد بازی اور خوف کے فیصلے ہمیشہ بربادی لاتے ہیں۔ سچائی، صبر اور عقل ہی انسان کو محفوظ رکھتے ہیں۔ بہادر خان کے احساسِ ندامت سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان خواہ کتنا ہی بہادر کیوں نہ ہو، اگر وہ اپنی غلطیوں پر قابو نہ پائے تو آخر کار اسے خود اپنے ضمیر کے ہاتھوں شکست کھانی پڑتی ہے۔ یوں یہ کہانی انسان کی نفسیاتی کمزوری، حالات کے جبر اور انجام کی عبرت ناک تصویر پیش کرتی ہے۔ یہ صرف ایک واقعہ نہیں بلکہ زندگی کا آئینہ ہے جس میں ہر شخص اپنا عکس دیکھ سکتا ہے۔

عبارت نمبر 16

کاش! میں اس شادی پر نہ گیا ہوتا! وہ اسی طرح سوچتے سوچتے قبرستان واپس آ گیا۔ اس کے لیے وقت کاٹنا دوبھر ہو گیا۔ ایک ایک لمحہ ایک ایک پہاڑ بن گیا۔ اس کے دماغ میں رینگتا ہوا ہر خیال اس کی رگوں میں کانٹے کی طرح چبھنے لگا۔ ''آخر اس نے کون سا گناہ کیا تھا جس کی پاداش میں وہ اس مصیبت میں پھنس گیا اور مصیبت جب شروع ہوئی تو اس کی کوئی انتہا ہی نظر نہ آتی تھی۔'' وہ اسی طرح نہ جانے کب تک اور کیا کیا سوچتا رہا۔ آدھی رات کے وقت جادوگر پھر قبرستان میں آیا۔ وہ اسے پکڑنے کے لیے لپکا۔ مُلّا بھی اس کے پیچھے چلا۔

بہادر خان نے کہا: ''او بھائی! ذرا صبر کر۔'' اور وہ تیز تیز چلتا ہوا جادوگر کے پیچھے پہنچا اور لپک کر اسے پکڑ لیا اور کہنے لگا: ''میں تمھیں ہرگز زندہ نہ چھوڑوں گا اگر تم نے مُلّا کو مجھ سے علیحدہ نہ کیا۔'' جادوگر نے بہت لیت و لعل کیا لیکن بہادر خان ڈٹا رہا اور کہنے لگا: ''اس دفعہ کوئی رعایت نہ ہوگی۔ ملا کو فوراً قبر میں واپس کر دو۔'' چناں چہ جادوگر نے ملا کو دوبارہ اس کی قبر میں ڈال دیا اور خود قبرستان سے چلا گیا۔

سیاق و سباق

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف بتاتے ہیں کہ خوش حال کسان بہادر خان ایک سانحے کے بعد لوگوں کی نظر میں مردہ قرار پایا۔ واپسی پر گاؤں والوں نے اسے بھوت سمجھ کر ٹھکرا دیا۔ اوپر سے جادوگر کے سحر سے مردہ ملا کی لاش اس کے ساتھ چپک گئی، جس سے خوف اور بڑھ گیا۔ بہادر خان اپنی سماجی زندگی کھو کر مسلسل تنہائی اور شدید نفسیاتی اذیت میں مبتلا ہو کر رہ گیا۔

تشریح طلب عبارت کے بعد مصنف بتاتے ہیں کہ بہادر خان نے اپنی زندہ ہونے کی حقیقت ثابت کرنے کے لیے ان رشتہ داروں کی مدد لی جن کی شادی میں وہ شریک تھا۔ انھوں نے گاؤں والوں پر واضح کیا کہ جسے وہ مردہ سمجھ رہے تھے، وہ اس کا ملازم تھا۔ یہ سچائی سامنے آتے ہی گاؤں والوں کی غلط فہمی دور ہو گئی۔ سب نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے بہادر خان کا استقبال کیا۔

تشریح

انور رومان اپنے عہد کے ممتاز ماہرِ تعلیم، مؤرخ، محقق، شاعر، مترجم اور فکشن نگار تھے۔ انھوں نے مختلف علاقائی زبانوں کی کہانیوں کو قابلِ فہم اور دل نشیں انداز میں اردو میں منتقل کیا ہے۔ ''بہادر خان کی سرگزشت'' لوک داستان کا خوب صورت اردو ترجمہ ہے جس میں انسانی جذبات کی ترجمانی، زبان کی سادگی اور روانی اور قصے کی دل نشینی نمایاں ہے۔

تشریح طلب عبارت میں مصنف بتاتے ہیں کہ جب سواروں نے گھوڑوں کو جلدی میں بھگانے کے لیے چابک مارے تو وہ گھبراہٹ میں گھوڑوں کے ایڑیوں کے رسے کھولنا بھول گئے۔ نتیجتاً گھوڑے دوڑتے ہوئے میخوں میں الجھ کر گر گئے اور سواروں کے چہرے اور بدن زخمی ہو گئے اور دو سوار مر گئے، صرف ایک زندہ واپس آیا۔ اس زخمی سوار نے رئیس کو سارا حال سنایا۔ اس واقعے کے بعد دھوبی نے خوف زدہ ہو کر عہد کیا کہ وہ آئندہ کبھی گھر سے باہر نہیں جائے گا۔ دوسری طرف بہادر خان یہ سب کچھ دیکھ کہ سخت مایوسی اور افسوس میں مبتلا ہو گیا۔ اسے احساس ہوا کہ وہ اپنوں سے کٹ چکا ہے، ایک تو قبیلے والے اس سے دور ہو گئے ہیں اور دوسرا مُلّا اُس کے ساتھ آسیب کی طرح چمٹا ہوا ہے۔ وہ خود کو بے بس اور غم سے نڈھال محسوس کرتا ہے۔

قسمت نے آہ ہم کو یہ دن بھی دکھا دیے ۔ قسمت پہ اعتبار کیا ہائے کیا کیا (بہزاد لکھنوی)

تشریح طلب عبارت میں مصنف بتاتا ہے کہ جب انسان کسی مصیبت میں پھنس جاتا ہے تو وہ اپنے ماضی کے فیصلوں پر افسوس کرتا ہے۔ بہادر خان کو بھی یہی احساس ہوا کہ اگر وہ اس شادی میں نہ جاتا تو شاید اس کی زندگی سکون سے گزر جاتی۔ اب وہ دن رات اس خیال میں رہتا ہے کہ وہ یہ غلطی کیوں کر بیٹھا۔ یہی پشیمانی اس کے لیے ایک اور ذہنی اذیت بن جاتی ہے۔ بہادر خان یہی سوچتے ہوئے قبرستان واپس آ گیا۔ وہ تھک چکا تھا اور ہر طرف سے مایوس ہو چکا تھا۔ اسے لگتا تھا کہ شاید اس مسئلے کا حل اسی جگہ ملے جہاں سے یہ شروع ہوا تھا۔

اس کے لیے وقت کاٹنا دوبھر ہو گیا۔ ایک ایک لمحہ اس کے لیے پہاڑ بن گیا۔ جب انسان کسی اذیت میں ہوتا ہے تو وقت رک سا جاتا ہے۔ ہر لمحہ ایک طویل مصیبت بن جاتا ہے۔ بہادر خان کے لیے دن رات کا فرق مٹ چکا تھا۔ وہ ہر وقت اسی سوچ میں مبتلا رہتا کہ آخر یہ سب کیوں ہو رہا ہے۔ اس کے خیالات کانٹے کی طرح اس کے دماغ میں چبھتے تھے۔ وہ نہ سکون سے سو سکتا تھا نہ آرام کر سکتا تھا۔ اس کے ذہن میں ایک ہی سوال بار بار آتا کہ آخر اس نے کون سا گناہ کیا ہے۔ وہ ہر وقت سوچتا تھا، مگر اس سوچ کا کوئی انجام نہیں نکلتا تھا۔ دراصل جب انسان کسی ایسی مصیبت میں ہوتا ہے جس کا سبب وہ نہیں جانتا تو وہ اندر سے ٹوٹنے لگتا ہے۔

مصیبت جب بڑھتی ہے تو انسان کو لگتا ہے کہ اس کا کوئی انجام نہیں۔ بہادر خان کی مصیبت جب شروع ہوئی تو اس کی کوئی انتہا نظر نہ آتی تھی۔ بہادر خان کی زندگی ایک ایسی دلدل بن چکی تھی جس سے نکلنے کا راستہ نہیں تھا۔ وہ جتنی کوشش کرتا، اتنا ہی زیادہ پھنس جاتا۔ آخر کار وہ مایوس ہو گیا۔ رات کا وقت ہے، فضا میں خاموشی ہے اور بہادر خان اسی قبرستان میں اکیلا کھڑا ہے۔ نہ کوئی دوست، نہ کوئی مددگار۔ ایسے میں وہ جادوگر دوبارہ قبرستان میں آتا ہے۔ بہادر خان کے دل میں خوف کے ساتھ ساتھ غصہ بھی ہے۔ وہ اب مزید برداشت نہیں کر سکتا۔ اس کی برداشت ختم ہو چکی ہے۔ وہ فیصلہ کرتا ہے کہ اب اس جادوگر کو چھوڑنا نہیں ہے۔ وہ جادوگر کے پاس پہنچ کر کہتا ہے کہ او بدبخت، ذرا ٹھہر۔ یہ الفاظ اس کے غصے اور حوصلے دونوں کا اظہار ہیں۔

وہ جادوگر کو پکڑ کر کہتا ہے کہ میں تمھیں زندہ نہیں چھوڑوں گا اگر تم نے ملا کو مجھ سے علیحدہ نہ کیا۔ جادوگر اپنی عادت کے مطابق بہانے بناتا ہے، اُسے ٹالنے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن بہادر خان اس بار اس کی باتوں میں نہیں آتا۔ وہ ڈٹ کر کہتا ہے کہ اس دفعہ کوئی رعایت نہ ہوگی، ملا کو فوراً قبر میں واپس کر دو۔ اب وہ کسی فریب میں آنے والا نہیں۔ اس کے دل میں صرف ایک مقصد ہے کہ وہ اس عذاب سے ہمیشہ کے لیے نجات پائے۔

آخر کار جادوگر بہادر خان کی ضد کے آگے جھک جاتا ہے۔ وہ دوبارہ مردہ ملا کو قبر میں ڈال دیتا ہے۔ جیسے ہی وہ ایسا کرتا ہے، بہادر خان کے دل سے ایک بھاری بوجھ اتر جاتا ہے۔ اسے محسوس ہوتا ہے جیسے وہ کسی قید سے آزاد ہو گیا ہو۔ جادوگر پھر قبرستان سے چلا جاتا ہے اور بہادر خان تنہا رہ جاتا ہے، مگر اب وہ خوف زدہ نہیں۔ اس کے چہرے پر سکون ہے۔ دراصل زندگی کے ہر موڑ پر اگر ہم حوصلہ، صبر اور ہمت کے ساتھ کھڑے رہیں تو کامیابی ہمارا مقدر بن سکتی ہے۔ مصیبتیں وقتی ہوتی ہیں، مگر انسان کا عزم ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔ بہادر خان کی طرح اگر ہم بھی اپنے خوف کو مقابلے میں بدل دیں تو ہم ہر اندھیرے سے روشنی حاصل کر سکتے ہیں۔ بقول مارک ٹوئن:

"بہادری خوف کا نہ ہونا نہیں بلکہ خوف کے باوجود ڈٹے رہنا ہے۔"

مختصر یہ کہ انسان اگر مصیبتوں میں بھی ثابت قدم رہے، اپنے خوف کو شکست دے، برائی کے آگے نہ جھکے، تو آخر کار نجات اسی کا مقدر ہوتی ہے۔ بہادر خان کی کہانی انسان کے ایمان، صبر اور حوصلے کی مثال ہے جو ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ زندگی میں مشکلات چاہے کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہوں، اگر نیت صاف ہو اور دل مضبوط ہو، تو ہر مصیبت کا انجام کامیابی ہوتا ہے۔

عبارت نمبر 17

اب بہادر خان اپنے ان سیالوں (رشتے داروں) کی طرف چلا جن کی شادی میں وہ گیا تھا۔ اس نے ان سے سب کچھ کہا اور درخواست کی: "میرے گاؤں والے مجھے مردہ سمجھتے ہیں اس لیے میرے ساتھ چلو اور انھیں بتا دو کہ تمھاری شادی میں آیا تھا۔"

چناں چہ وہ اسے لے کر بہادر خان کے گاؤں آئے۔ لوگ اسے دیکھنے کے لیے باہر نکلے۔ اس کے رشتہ دار نے رئیس، بہادر خان کی بیوی اور اس کے دوسرے رشتہ داروں کو بلایا اور سمجھایا کہ جسے تم مردہ سمجھتے ہو وہ تو اس کا نوکر تھا۔ بہادر خان تو اس دن شادی میں گیا ہوا تھا۔ وہ سمجھا کر واپس چلا گیا۔ لوگ بہادر خان سے خوش ہو گئے اور وفورِ مسرت سے ناچ ناچ کر پکارنے لگے: ''ہم نے حاصل کر لیا، ہم آزاد ہو گئے، ہم تمھیں سلام کرتے ہیں۔''

سیاق و سباق

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف بتاتے ہیں کہ بہادر خان ایک محنتی کسان تھا، جس کی زندگی خوش حال تھی۔ ایک سانحے میں اس کا نوکر ہلاک ہوا تو گاؤں والوں نے غلط فہمی میں اسے بہادر خان سمجھ کر دفن کر دیا۔ جب بہادر خان سفر سے لوٹا تو لوگ اسے بھوت سمجھ کر خوف زدہ ہو گئے۔ اسی دوران میں ایک جادوگر نے اپنے جادو سے مرے ہوئے مُلّا کی لاش کو بہادر خان کے ہمراہ لگا دیا جو سائے کی طرح ہر وقت اس کے پیچھے رہنے لگا۔ اس صورتِ حال نے بہادر خان کی زندگی اجیرن کر دی۔ لوگ اسے دیکھ کر بھاگنے لگے اور گاؤں میں خوف پھیل گیا۔ بالآخر اس نے جادوگر کو پکڑ کر مجبور کیا کہ وہ مُلّا کو واپس اس کی قبر میں داخل کر دے، جس کے بعد اسے اس طویل اور اذیت ناک عذاب سے نجات ملی۔

تشریح طلب عبارت سبق کی آخری عبارت ہے اس لیے اس کا سباق نہیں ہے۔

تشریح

انور رومان اپنے عہد کے ممتاز ماہرِ تعلیم، مؤرخ، محقق، شاعر، مترجم اور فکشن نگار تھے۔ انھوں نے مختلف علاقائی زبانوں کی کہانیوں کو قابلِ فہم اور دل نشیں انداز میں اردو میں منتقل کیا ہے۔ ''بہادر خان کی سرگزشت'' لوک داستان کا خوب صورت اردو ترجمہ ہے جس میں انسانی جذبات کی ترجمانی، زبان کی سادگی اور روانی اور قصے کی دل نشینی نمایاں ہے۔

مصنف کہتے ہیں کہ رات کا وقت ہے، چاندنی مدھم ہے، قبرستان کا ماحول سنسان اور ڈراؤنا ہے۔ ایسے میں بہادر خان دیکھتا ہے کہ وہی جادوگر دوبارہ قبرستان میں آ گیا ہے جس نے اس کے ساتھ ظلم کیا تھا۔ بہادر خان کے اندر کا خوف اب غصے میں بدل جاتا ہے۔ وہ طے کر لیتا ہے کہ اب وہ اس جادوگر کو کسی قیمت پر نہیں چھوڑے گا۔ وہ جادوگر کے پیچھے پیچھے چل پڑتا ہے، آہستہ آہستہ قدم بڑھاتا ہے تاکہ اسے پکڑ سکے۔ جب وہ جادوگر کے پاس پہنچتا ہے تو اسے مضبوطی سے پکڑ لیتا ہے۔ وہ جادوگر سے کہتا ہے کہ اگر تو نے ابھی ملا کو مجھ سے الگ نہ کیا تو میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ جادوگر بہتیرا بہانے بنانے کی کوشش کرتا ہے، طرح طرح کی باتوں سے بہادر خان کو ٹالنا چاہتا ہے، لیکن بہادر خان جادوگر کی باتوں کے جال میں نہیں پھنستا۔ وہ کسی صورت پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں ہوتا۔

آخر کار جادوگر ہار مان لیتا ہے۔ وہ مجبوری میں ملا کو دوبارہ قبر میں بھیج دیتا ہے تاکہ بہادر خان کو اس مصیبت سے نجات مل جائے۔ اس کے بعد وہ وہاں سے چلا جاتا ہے۔ یہ لمحہ بہادر خان کے لیے سکون کا لمحہ ہے۔ اس کی روح پر جو بوجھ تھا، وہ اترنے لگتا ہے۔ وہ محسوس کرتا ہے کہ اس کی زندگی کا ایک بھاری باب ختم ہو گیا ہے۔ مگر کہانی یہاں ختم نہیں ہوتی، بلکہ ایک نیا مرحلہ شروع ہوتا ہے۔

؎ وہ اِک سفر جو ہمیں زندگی کی شکل ملا اس اِک سفر کے کئی مرحلے بنانے پڑے (از برسفیر)

تشریح طلب عبارت میں مصنف بتاتا ہے کہ جادوگر کے جانے کے بعد بہادر خان اپنے رشتہ داروں کی طرف روانہ ہوتا ہے جن کی شادی میں وہ گیا تھا۔ وہ ان کے پاس پہنچ کر ساری بات تفصیل سے بیان کرتا ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ کیسے وہ غلط فہمی کا شکار ہوا، کیسے لوگ اسے مردہ سمجھ بیٹھے اور کیسے اس پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹے۔ وہ اپنے رشتہ داروں سے درخواست کرتا ہے کہ وہ اس کے ساتھ اس کے گاؤں چلیں تاکہ سب کو یقین ہو جائے کہ وہ زندہ ہے۔ رشتہ دار اس کی حالت دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں۔ ان کے لیے یہ سب کچھ ناقابلِ یقین ہوتا ہے۔ مگر وہ بہادر خان کی سچائی پر اعتماد کرتے ہیں اور اس کے ساتھ جانے پر راضی ہو جاتے ہیں۔ وہ سب ایک ساتھ اس کے گاؤں کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔

جب وہ گاؤں پہنچتے ہیں تو لوگوں میں چہ میگوئیاں شروع ہو جاتی ہیں۔ لوگ حیران ہیں، کچھ ڈرے ہوئے ہیں اور کچھ یقین نہیں کر پا رہے۔ ان کے ذہن میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ بہادر خان تو مر چکا ہے، پھر یہ شخص کون ہے؟ مگر جب اس کے سیال یعنی رشتہ دار گاؤں والوں کو سمجھاتے ہیں کہ بہادر خان زندہ ہے اور وہ ان کی شادی میں موجود تھا، تب رفتہ رفتہ لوگوں کے دل سے وہم اور خوف دور ہونے لگتا ہے۔ رشتہ دار کہتے ہیں کہ جسے تم مردہ سمجھ رہے تھے وہ بہادر خان کا نوکر تھا۔ خود بہادر خان تو ان دنوں ہماری شادی میں شریک تھا۔ یہ بات سن کر گاؤں کے لوگ حیران ہو جاتے ہیں، پھر ان کے چہروں پر خوشی کے آثار نمودار ہوتے ہیں۔

؎ اتنے دن کے بعد تو آیا ہے آج سوچتا ہوں کس طرح تجھ سے ملوں (اطہر نفیس)

یہ ایک غیر معمولی لمحہ ہوتا ہے۔ جب گاؤں کے لوگ بہادر خان کو زندہ دیکھتے ہیں جسے وہ مردہ سمجھ چکے تھے تو وہ حیران ہوتے ہیں، کچھ روتے ہیں کچھ خوشی سے نعرے لگاتے ہیں۔ لوگ ایک دوسرے کو مبارک دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنا بہادر خان دوبارہ پالیا، ہم آزاد ہو گئے، ہم خوش ہیں۔ پورے گاؤں میں خوشی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ وہ ناچتے ہیں، گاتے ہیں اور بہادر خان کا استقبال کرتے ہیں۔ ان کے لیے یہ کسی معجزے سے کم نہیں ہوتا۔ جو شخص ان کے نزدیک مر چکا تھا، وہ ان کے سامنے زندہ کھڑا ہے۔

؎ دیر لگی آنے میں تم کو شکر ہے پھر بھی آئے تو آس نے دل کا ساتھ نہ چھوڑا ویسے ہم گھبرائے تو (عندلیب شادانی)

دراصل انسان کو زندگی میں کبھی بھی امید کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے۔ حالات چاہے کتنے ہی برے کیوں نہ ہوں، اگر انسان صبر، حوصلے اور ایمان کے ساتھ ڈٹا رہے تو وہ ہر مصیبت سے نکل سکتا ہے۔ بہادر خان نے مشکلات کا سامنا کیا۔ وہ ڈرا نہیں، ہارا نہیں۔ وہ اپنے مقصد کے لیے ڈٹا رہا۔ اس نے ظلم، جادو اور خوف کے اندھیروں پر اپنی بہادری سے قابو پایا۔ اس کا کردار ایک مثال ہے کہ انسان اگر سچائی اور ایمان پر قائم رہے تو کوئی طاقت اسے شکست نہیں دے سکتی۔

مشقی سوالات

1 درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کریں:

(الف) بہادر خان اپنے کھیتوں اور فصلوں کی کیسے پرورش اور دیکھ بھال کرتا تھا؟

جواب: بہادر خان کو اپنے کھیتوں اور فصلوں سے عشق تھا۔ وہ ان کی دیکھ بھال کے لیے جی جان سے تیار رہتا۔ وہ بارش نہ ہونے کی صورت میں کاریز کے پانی سے کھیتوں کو سیراب کرتا۔ گندم کے خوشوں کے لیے وہ ایک باپ کی طرح تھا۔

(ب) شادی کے بعد بہادر خان کے معمولات میں کیا تبدیلی آئی؟

جواب: شادی کے بعد بہادر خان کے معمولات میں تھوڑی سی تبدیلی آ گئی۔ اپنی فصلوں سے اس کی والہانہ محبت کم ہو گئی۔ اس نے کھیتوں کی دیکھ بھال کے لیے ایک نوکر رکھ لیا۔ نوکر بھی اس کی طرح بہت محنتی تھا اس لیے فصل پہلے سے بھی زیادہ ہوئی۔

(ج) دیہات کے باشندے بہادر خان کو یہ کیوں کہتے کہ بہادر خان! تو بہت اونچے ستارے والا ہے؟

جواب: گاؤں کے لوگ بہادر خان کو نیک شگون والا اس لیے کہتے کہ وہ محنتی تھا اور اس کی فصل سب سے اچھی ہوتی تھی۔ اس کی شادی ہوئی تو بیوی بھی بہت اچھی اور سلیقے والی ملی۔ اس نے نوکر رکھا تو وہ بھی بہت محنتی اور وفادار تھا۔ بارشوں کی وجہ سے زیادہ پانی جمع ہوا تو اس کے بنجر کھیت بھی آباد ہو گئے۔ ہر طرف اس کی خوش بختی کا چرچا تھا۔

(د) بہادر خان کے کھیت کھلیان میں آگ کیسے لگی؟

جواب: اس کے کھیتوں میں آگ نوکر کی وجہ سے لگی۔ اس کا نوکر تھا تو بہت محنتی لیکن حقے کا بے حد شوقین تھا۔ اس نے اپنی چلم کے لیے آگ لگائی تو اس کی کوئی چنگاری کھلیان میں آ گری۔ اس نے پوری احتیاط کی تھی اور آگ بھی دور لگائی تھی لیکن تقدیر کے سامنے بے بس تھا۔

(ہ) بہادر خان کے زندہ ہونے کا گاؤں والوں کو کیسے علم ہوا؟

جواب: بہادر خان کے زندہ ہونے کی گواہی ان رشتہ داروں نے دی جن کے ہاں وہ شادی پر گیا تھا۔ انھوں نے آ کر گاؤں کے رئیس، بہادر خان کے رشتہ داروں اور بیوی کو سمجھایا کہ جسے وہ مردہ سمجھ رہے تھے وہ اس کا نوکر تھا۔ بہادر خان تو کتنے دن سے ان کے ہاں شادی پر گیا ہوا تھا۔

۲ درج ذیل کثیر الانتخابی سوالات میں درست جواب کی نشان دہی کریں۔

(الف) بہادر خان کی خودداری کی وجہ تھی:

(i) سماجی آزادی (ii) معاشی آزادی (iii) مذہبی آزادی (iv) کوئی نہیں

(ب) بہادر خان بارش نہ ہونے کی صورت میں اپنے کھیتوں کو سیراب کرتا تھا:

(i) بارش سے (ii) سمندر سے (iii) کاریز سے (iv) نہر سے

(ج) بہادر خان کی شادی ہوئی:

(i) سادگی سے (ii) دھوم دھام سے (iii) آسانی سے (iv) مشکل سے

(د) نوکر نے بہادر خان کے کھیتوں میں فصل بوئی:

(i) باجرے کی (ii) چاول کی (iii) گندم کی (iv) گنے کی

(ہ) شادی پر جاتے وقت بہادر خان کی جیب میں تھے:

(i) پچاس روپے (ii) سو روپے (iii) پانچ سو روپے (iv) ہزار روپے

جوابات

الف	معاشی آزادی	ب	کاریز سے	ج	دھوم دھام سے	د	گندم کی	ہ	سو روپے

۳ بہادر خان کی سرگزشت کا خلاصہ تحریر کریں۔

جواب: دیکھیے سبق کا خلاصہ

ضرب المثل

ضرب المثل عربی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی مثال دے کر کوئی بات بیان کرنے کے ہیں۔ ضرب المثل کو کہاوت بھی کہتے ہیں۔ یہ مختصر اور جامع جملے ہوتے ہیں جو کسی خاص موقع پر تجربے یا مشاہدے کی بنیاد پر معاشرے میں مقبول ہو جاتے ہیں۔ ان مثالوں میں گہری حکمت یا زندگی کا کوئی اصول پوشیدہ ہوتا ہے۔

ضرب المثل کی مثالیں:

ضرب المثل	معنی
آنکھ کا اندھا، گانٹھ کا پورا	بے وقوف لیکن مال دار شخص
اونٹ کے منھ میں زیرہ	بہت کم مقدار جو کسی کے لیے ناکافی ہو
فقیر کو کمبل ہی دوشالا ہے	غریب آدمی کو جو مل جائے وہی کافی ہوتا ہے
قہرِ درویش، برجانِ درویش	فقیر کا غصہ خود فقیر ہی کی جان پر اترتا ہے
پانچوں انگلیاں گھی میں اور سر کڑاہی میں	ہر طرح سے مزے میں ہونا

۴ درج ذیل ضرب الامثال کی تکمیل کریں۔

(الف) چور کی داڑھی میں ---------- (ب) خدا گنجے کو ---------- نہ دے

(ج) ڈوبتے کو ---------- کا سہارا (د) رسی جل گئی مگر ---------- نہ گیا

(ہ) سدا ناؤ ---------- کی بہتی نہیں (و) بھینس کے آگے ---------- بجانا

جواہات	ا۔	تنکا	ب۔	ناخن	ج۔	تنکے	د۔	بل	ہ۔	کاغذ	و۔	بین

۵ درج ذیل پیراگراف کا بامحاورہ اردو ترجمہ کریں۔

The accumulative experience of human being is available in the form of knowledge,skills and attitudes.Language and literature are the most important factors which reflect and protect the culture of a society.Urdu language emerged from the combination of Persian, Arabic, Turkish, Sanskrit and other local languages.During the last century, English has also contributed to the enrichment of urdu. Gradually, Urdu is now becoming capable of accomodating ideas, words, feelings, emotions from other Western and Eastern cultures.

جواب: نسلِ انسانی کا اجتماعی تجربہ علم، مہارتوں اور رویوں کی شکل میں دستیاب ہوتا ہے۔ زبان اور ادب وہ سب سے اہم عناصر ہیں جو کسی معاشرے کی ثقافت کی حفاظت کرتے ہیں اور اس کی عکاسی کرتے ہیں۔ اردو زبان عربی، فارسی، ترکی، سنسکرت اور کئی دوسری مقامی زبانوں کے ملاپ سے وجود میں آئی۔ گزشتہ صدی کے دوران میں انگریزی زبان نے اردو کی وسعت میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اب اردو بتدریج اس قابل ہوتی جارہی ہے کہ وہ مشرقی اور مغربی تہذیبوں سے خیالات، الفاظ، احساسات اور جذبات کو اپنے اندر سمو سکے۔

سبق سے متعلق کثیر الانتخابی سوالات

1۔ بہادر خان ایک کھاتا پیتا تھا:

(الف) تاجر (ب) دکان دار (ج) کسان (د) ٹھیکیدار (ج)

2۔ بہادر خان اپنے کھیتوں کو سیراب کرنے کے لیے استعمال کرتا تھا:

(الف) دریا کا پانی (ب) کنوئیں کا پانی (ج) کاریز کا پانی (د) نہری پانی (ج)

3۔ بہادر خان کی معاشی آزادی کی بڑی وجہ تھی:

(الف) اس کی سخت محنت (ب) اس کی خودداری (ج) خاندانی دولت (د) اچھی ملازمت (ب)

4۔ گندم کے خوشوں کے لیے بہادر خان کی حیثیت تھی:

(الف) مالک کی (ب) باپ کی (ج) محافظ کی (د) مزدور کی (ب)

5۔ بہادر خان کی شادی کے بعد اس کے معمول میں فرق آنا تھا:

(الف) لازمی (ب) ناممکن (ج) حادثاتی (د) غیر ضروری (الف)

6۔ شادی کے بعد بہادر خان نے کام کاج کے لیے رکھا:

(الف) دوست (ب) رشتہ دار (ج) نوکر (د) مزارع (ج)

7۔ نوکر کی سب سے بڑی عیاشی تھی:

(الف) گانا گانا (ب) حقہ پینا (ج) سونا (د) میلہ دیکھنا (ب)

8۔ گندم کا انبار لگایا گیا تھا:

(الف) خاردار جھاڑیوں کے پاس (ب) گھر کے صحن میں (ج) قبرستان میں (د) ندی کے کنارے (الف)

9۔ لوگ بہادر خان کو پکارتے تھے:
(الف) امیر آدمی (ب) اونچے ستارے والا (ج) نیک دل انسان (د) خوش قسمت کسان (ب)

10۔ بہادر خان کو ہر وقت خوف رہتا تھا کہ:
(الف) بارش نہ ہوگی (ب) فصل تباہ ہو جائے گی
(ج) زمین و آسمان کی طاقتیں درپے ہو جائیں گی (د) نوکر چوری کرے گا (ج)

11۔ بہادر خان نے جوہان کے پاس ٹھہرنے کا فیصلہ کیا تا کہ:
(الف) نوکر کی نگرانی ہو (ب) فصل محفوظ رہے (ج) نوکر کی نیت نہ بدلے (د) سب درست ہیں (د)

12۔ بہادر خان ایک دور کے سیال کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہوا:
(الف) شہر (ب) چچازاد بھائی کی شادی میں (ج) تجارت کے لیے (د) دوسرے گاؤں (ب)

13۔ شادی پر جانے کے لیے بہادر خان کے پاس رقم تھی:
(الف) سو روپیہ (ب) دو سو روپیہ (ج) پچاس روپیہ (د) ایک ہزار روپیہ (الف)

14۔ نوکر نے آگ سلگائی تھی:
(الف) چولہے میں (ب) جوہان میں (ج) خس و خاشاک سے (د) گھر میں (ج)

15۔ جوہان میں آگ لگنے کا سبب بنا:
(الف) بجلی گرنا (ب) غضب ناک بگولا (ج) نوکر کی غفلت (د) ب اور ج دونوں (د)

16۔ نوکر کی موت کا سبب بنی:
(الف) بیماری (ب) آگ (ج) دشمنی (د) حادثہ (ب)

17۔ بہادر خان کی بیوی نے بہادر خان سمجھ کر دفن کروا دیا:
(الف) کسی اجنبی کو (ب) جلے ہوئے نوکر کو (ج) اپنے رشتہ دار کو (د) کسی کو نہیں (ب)

18۔ بہادر خان گاؤں واپس پہنچا:
(الف) صبح (ب) دوپہر (ج) نیم شب (د) شام (ج)

19۔ بیوی شوہر کو دیکھ کر:
(الف) خوش ہو گئی (ب) چیخ ماری اور بھاگی (ج) کھانا دیا (د) پہچان لیا (ب)

20۔ گاؤں والے بہادر خان کو سمجھ بیٹھے تھے:
(الف) چور (ب) ڈاکو (ج) بھوت پریت (د) مسافر (ج)

21۔ بہادر خان رات گزارنے کے لیے چھپا رہا:
(الف) مسجد میں (ب) قبرستان میں (ج) کھیتوں میں (د) گھر کے باہر (ب)

22۔ مؤذن مسجد میں ملا اذان کے لیے:
(الف) نماز پڑھ رہا تھا (ب) ہاتھ اٹھائے ہوئے تھا (ج) سو رہا تھا (د) قرآن پڑھ رہا تھا (ب)

23۔ ملا بے ہوش ہو کر مر گیا کیوں کہ:
(الف) اسے آگ لگی تھی (ب) وہ چور کو دیکھ کر ڈرا (ج) اس نے بہادر خان کو دیکھا (د) رات کا اندھیرا تھا (ج)

24۔ کھجوریں تقسیم ہوئی تھیں:
(الف) پچاس آدمیوں میں (ب) ستر آدمیوں میں (ج) سو آدمیوں میں (د) دس آدمیوں میں (ج)

25۔ بہادر خان نے کھجوروں کا مطالبہ کیا:
(الف) مسجد سے (ب) قبر کے عقب سے (ج) گھر سے (د) کھیت سے (ب)

26۔ قبرستان میں جادوگر مشغول تھا:
(الف) قبر کھودنے میں (ب) لاشوں پر جادو کے تجربے میں (ج) نماز میں (د) کھجور کھانے میں (ب)

27۔ ملا کی لاش باہر تھی:
(الف) پوری (ب) آدھی (ج) گھٹنوں تک (د) صرف سر (ج)

28۔ بہادر خان جادوگر سے سیکھنا چاہتا تھا:
(الف) لڑائی (ب) جادو (ج) کھیتی باڑی (د) کچھ نہیں (ب)

29۔ جادوگر کے منتر سے ملا بن گیا:
(الف) سائے کی طرح پیچھے رہنے والا (ب) غلام (ج) دوست (د) دشمن (الف)

30۔ بہادر خان بھوک مٹانے کے لیے گیا:
(الف) بازار (ب) پالیز (ج) جنگل (د) شہر (ب)

31۔ بہادر خان نے ملا کو باندھا:
(الف) درخت سے (ب) گھر کے ستون سے (ج) آبی چرخے سے (د) قبر سے (ج)

32۔ پالیز بان کا خیال تھا کہ:
(الف) بہادر خان اور ملا چوری کر رہے ہیں (ب) وہ بھوت ہیں (ج) وہ مدد مانگ رہے ہیں (د) وہ مہمان ہیں (الف)

33۔ بیل سوار کی موت واقع ہوئی:
(الف) روٹی دینے سے (ب) بہادر خان کو دیکھ کر وحشت زدہ ہونے سے
(ج) بھوک سے (د) حادثے سے (ب)

34۔ رئیس نے کپڑے دھونے کے لیے بلایا:
(الف) بیگم کو (ب) نوکر کو (ج) دھوبی کو (د) ملا کو (ج)

35۔ دھوبی کی حفاظت کے لیے ساتھ تھے:
(الف) دو سوار (ب) تین مسلح سوار (ج) پانچ سوار (د) چار سوار (ب)

36۔ ندی پر سواروں کے گھوڑے گرے:
(الف) ایڑیوں کے رسوں اور میخوں سے (ب) پھسل کر (ج) ڈر کر (د) تھک کر (الف)

37۔ بہادر خان نے جادوگر کو مجبور کیا:
(الف) ملا کو زندہ کرنے پر (ب) ملا کو قبر میں واپس کرنے پر (ج) جادو سکھانے پر (د) گاؤں والوں کو ڈرانے پر (ب)

38۔ آخر میں بہادر خان کی سچائی ثابت کی:
(الف) اس کے سیال نے (ب) رئیس نے (ج) بیوی نے (د) دھوبی نے (الف)

39۔ گاؤں والے بہادر خان کو دیکھ کر پکارے:
(الف) ہم تجھ سے ڈرتے ہیں (ب) ہم آزاد ہو گئے (ج) ہم تمھیں سلام کرتے ہیں (د) ب اور ج دونوں (د)

40۔ یہ سرگزشت ہے:
(الف) رئیس کی (ب) نوکر کی (ج) بہادر خان کی (د) جادوگر کی (ج)

41۔ بارش نہ ہونے پر بھی بہادر خان کی فصل ہوتی تھی:
(الف) خشک (ب) ہری بھری (ج) کمزور (د) برباد (ب)

42۔ بہادر خان ہمسایوں سے سلوک کرتا تھا:
(الف) مددگار (ب) سخت (ج) لاتعلق (د) متکبر (الف)

43۔ بہادر خان کی معاشی آزادی کا اثر تھا:
(الف) غرور (ب) خودداری (ج) غفلت (د) عیاشی (ب)

44۔ بہادر خان کی نیک نامی کی وجہ تھی:
(الف) مال و دولت (ب) زور زبردستی (ج) بانٹ چونٹ کر کھانے کی عادت (د) خاموشی (ج)

45۔ بہادر خان کی شادی ہوئی:
(الف) بہت مشکل سے (ب) نہایت آسانی سے (ج) خفیہ طریقے سے (د) ناکامی سے (ب)

46۔ گندم کے سنہری خوشے دیکھ کر بہادر خان کو ہوتا تھا:
(الف) انتہائی خوشی (ب) دکھ (ج) پریشانی (د) خوف (الف)

47۔ بہادر خان کے مطابق خوشوں میں ملفوف تھے:
(الف) زندگی کی مسرتیں اور قہقہے (ب) دکھ اور تکلیفیں (ج) اناج (د) کچھ نہیں (الف)

48۔ شادی سے پہلے بہادر خان کی محبت کھیتوں کے لیے تھی:
(الف) بے لوث (ب) خودغرض اور حاسدانہ (ج) عام (د) نہ ہونے کے برابر (ب)

49۔ نوکر کھیتوں میں گھاس صاف کرنے کے بعد کرتا تھا:
(الف) سونا (ب) گانا (ج) حقہ پینا (د) شہر جانا (ج)

50۔ بہادر خان کے بنجر کھیت بھر گئے:
(الف) محنت سے (ب) خوب بارش سے (ج) کھاد سے (د) بیج سے (ب)

51۔ گاؤں والے نوکر کو کہتے تھے:
(الف) کام چور (ب) سست (ج) اچھے شگون والا (د) بے وقوف (ج)

52۔ بہادر خان کو بیوی ملی:
(الف) سلیقے والی (ب) سست (ج) جھگڑالو (د) کم عقل (الف)

53۔ نوکر کو بہادر خان نے ڈرنے کو کہا:
(الف) بارش سے (ب) قزاقوں سے (ج) جانوروں سے (د) سیلاب سے (ب)

54۔ رشتہ دار کس کی شادی کے بلاوے کے لیے آیا تھا:
(الف) لشکران (ب) خان (ج) دوست (د) ملا (الف)

55۔ بہادر خان شادی میں جانے کو تیار ہوا کیوں کہ:
(الف) مجبوری تھی (ب) مواقع بار بار نہیں آتے (ج) شوق تھا (د) دعوت عام تھی (ب)

56۔ جو ہان پر آگ لگنے کا اصل سبب تھا:
(الف) جان بوجھ کر (ب) بجلی (ج) بگولے سے چنگاری اڑنا (د) شرارت (ج)

57۔ بیوی جب روٹی لے کر گئی تو پتہ چلا کہ:
(الف) نوکر بھاگ گیا (ب) شوہر مر گیا ہے (ج) فصل چوری ہو گئی (د) آگ بجھ گئی (ب)

58۔ گاؤں والے لاش لے گئے:
(الف) پہاڑوں میں (ب) کھیت میں (ج) قبرستان (د) ندی کنارے (ج)

59۔ بہادر خان جب واپس پہنچا تو بیوی تھی:
(الف) کھانا پکا رہی (ب) رو رہی (ج) سو رہی (د) کھیت میں (ب)

60۔ گاؤں والے ڈر گئے کیوں کہ:
(الف) اسے بھوت سمجھے (ب) بہادر خان بدصورت تھا (ج) وہ مسلح تھا (د) وہ پاگل تھا (الف)

61۔ گاؤں والوں نے اٹھالیں:
(الف) بندوقیں اور تلواریں (ب) لاٹھی (ج) پتھر (د) کچھ نہیں (الف)

62۔ بہادر خان قبرستان میں سو گیا:
(الف) درخت کے پاس (ب) مردوں کے قریب (ج) مسجد میں (د) جھاڑیوں میں (ب)

63۔ لوگ کھجور چھوڑ کر بھاگے:
(الف) چوری کے ڈر سے (ب) خوشی سے (ج) خوف سے (د) دکھ سے (ج)

64۔ بہادر خان نے بھاگتے لوگوں کو دیکھ کر:
(الف) مونچھوں کو تاؤ دیا (ب) رویا (ج) شور مچایا (د) ہنسا (الف)

65۔ جادوگر قبرستان میں کرتا تھا:
(الف) عبادت (ب) لاشوں پر جادو (ج) چوری (د) شکار (ب)

66۔ جادوگر کے منتر کا اثر ہوا:
(الف) بہادر خان پر (ب) دھوبی پر (ج) ملا پر (د) رئیس پر (ج)

67۔ ملا چپک گیا:
(الف) جادوگر سے (ب) بہادر خان سے (ج) بیوی سے (د) رئیس سے (ب)

68۔ بہادر خان نے ملا سے پیچھا چھڑانے کے لیے کیا:
(الف) زدوکوب (ب) منت (ج) باندھنا (د) سب درست (د)

69۔ ملا کو باندھا گیا تھا:
(الف) رسی سے (ب) آبی چرخے سے (ج) درخت سے (د) قبر سے (ب)

70۔ بہادر خان نے پالیز بان سے مانگے:
(الف) خربوزے اور تربوز (ب) پیسے (ج) روٹی (د) مدد (الف)

71۔ بیل سوار نے روٹی گرائی کیوں کہ:
(الف) وہ گر گیا (ب) وحشت زدہ ہوا (ج) اسے بھوک لگی تھی (د) وہ بیمار تھا (ب)

72۔ رئیس نے کپڑے دھونے کو بھیجا:
(الف) نوکر (ب) سپاہی (ج) دھوبی (د) کسان (ج)

73۔ بہادر خان ندی پر گیا:
(الف) نہانے (ب) پیاس بجھانے (ج) کپڑے دھونے (د) ملنے (ب)

74۔ سپاہیوں کے گھوڑے گرے:
(الف) ایڑیوں کے رسے نہ کھلنے سے (ب) ٹھوکر سے (ج) پتھروں سے (د) ڈر سے (الف)

75۔ بہادر خان نے جادوگر کو شرط رکھی:
(الف) دولت دو (ب) ملا کو قبر میں ڈالو (ج) غائب ہو جاؤ (د) سکھاؤ (ب)

76۔ جادوگر نے ملا کو:
(الف) قبر میں ڈالا (ب) ساتھ لے گیا (ج) آزاد کیا (د) جلا دیا (الف)

77۔ بہادر خان نے حقیقت بتائی:
(الف) رشتہ دار کے ذریعے (ب) مار کے ذریعے (ج) گاؤں چھوڑ کر (د) پولیس کے ذریعے (الف)

78۔ حقیقت کھلنے پر لوگ تھے:
(الف) غمزدہ (ب) خوش (ج) ڈرے ہوئے (د) غصے میں (ب)

79۔ آخر میں لوگوں نے پکارا:
(الف) ہم آزاد ہو گئے (ب) ہم تمھیں سلام کرتے ہیں (ج) الف اور ب (د) ہم بھاگتے ہیں (ج)

80۔ ''بہادر خان کی سرگزشت'' کس ادب سے تعلق رکھتی ہے؟
(الف) سندھی (ب) براہوی (ج) بلوچی (د) پنجابی (ب)

91۔ نوکر کی عیاشی تھی:
(الف) حقہ پینا (ب) سونا (ج) سواری کرنا (د) کھانا (الف)

92۔ جوہان تھا:
(الف) گھر کے قریب (ب) خاردار جھاڑیوں کے پاس (ج) قبرستان (د) ندی پر (ب)

93۔ بہادر خان کے بارے میں لوگ کہتے تھے:
(الف) بدنصیب (ب) چور (ج) اونچے ستارے والا (د) پاگل (ج)

94۔ بہادر خان کو خطرہ تھا:
(الف) قحط کا (ب) زمین و آسمان کی طاقتوں کا (ج) بیماری کا (د) دشمنی کا (ب)

95۔ نوکر مرا:
(الف) آگ میں جل کر (ب) بیماری سے (ج) حادثے سے (د) قتل ہو کر (الف)

96۔ بہادر خان گھر پہنچا تو بیوی کا ردعمل تھا:
(الف) خوشی (ب) چیخ مار کر بھاگنا (ج) گلے لگانا (د) کھانا دینا (ب)

97۔ بہادر خان رات گزارنے کے لیے چھپا:
(الف) مسجد میں (ب) کھیت میں (ج) قبرستان میں (د) جنگل میں (ج)

98۔ سبق بہادر خان کی سرگزشت کا مرکزی خیال ہے:
(الف) جادو (ب) توہم پرستی کے نقصانات (ج) لالچ (د) غیبت (ب)